دسمبر 2005ء ذوالحجہ/محرم ۱۴۲۶ھ

شمارہ نمبر
19

ماهنامه

الحديث

اللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

القرآن الحدیث

مدیر

کلمة الحدیث

فضل اکبر کاشمیری

معرکۂ حق وباطل

جب سے خالق کائنات نے انسانیت کو تخلیق بخشی ہے تب سے رحمانیت اور شیطانیت کے مابین معرکہ حق و باطل شروع ہوا ہے۔ دو پارٹیاں معرضِ وجود میں آئی ہیں۔ حزبُ اللہ اور حزبُ الشیطان، ابلیس نے نص کے خلاف قیاس کو استعمال کر کے آدم علیہ السلام کا مقابلہ کیا۔ نص کے خلاف یہ سب سے پہلا قیاس تھا، پھر شیطان نے بنو آدم کی اکثریت کو اپنے پیچھے لگا کر اُن کو گمراہ کرنے کی کامیاب کوشش کی اور آج تک کرتا چلا آ رہا ہے کبھی افراط کی شکل میں اور کبھی تفریط کی صورت میں۔ ابلیس لعین اور اس کی ذریّت کی یہ کوشش قیامت تک جاری رہے گی۔ روزِ قیامت بھی انسانوں کے دو ہی گروہ ہوں گے، ایک گروہ کو جنت کی لازوال نعمتوں میں داخل کر دیا جائے گا اور دوسرے گروہ کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کے حوالے کر دیا جائے گا۔ حق و باطل کی یہ کشمکش روزِ اوّل سے ہے اور آج بھی دنیا میں دو ہی گروہ پائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دعوتِ انبیاء کے سلسلے میں ایک قاعدہ کلیہ بطور دلیل نقلی اجماعی بیان کیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ﴾ ''ہم نے ہر اُمت میں اپنا ایک نمائندہ بھیجا کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو پس بعض کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض پر گمراہی ثبت ہوگئی'' (النحل: ۳۶)

نوح علیہ السلام سے لے کر بنی اسرائیل کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام تک کم وبیش ہر نبی کی دعوت کے نتیجے میں دو ہی گروہ سامنے آئے ہیں۔ مثال کے طور پر جب صالح علیہ السلام یہی دعوت لے کر قوم سے مخاطب ہوئے ہیں تو قرآن کہتا ہے ناگہاں قوم دو حصّوں میں بٹ کر آپس میں ٹکرائی (دیکھئے سورۃ النحل: ۴۵) یعنی توڑ پیدا ہوا۔

آج ''دعوت و تبلیغ'' کے دعویدار جو یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ''جوڑ پیدا کرو توڑ پیدا نہ کرو'' ان کو اپنی پالیسی پر غور کرنا چاہیے۔ پہلے تمام معبودان باطلہ کا انکار کرنا ہے پھر اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہے۔ کلمۂ شہادت میں بھی پہلے نفی پھر اثبات ہے۔ قرآن نے بھی پہلے کفر بالطاغوت پھر ایمان باللہ کی دعوتِ فکر دی ہے۔

پس اہلِ حق کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ لومة لائم سے بے خوف ہو کر ڈنکے کی چوٹ ببانگ دہل باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اللہ کے بندوں کے سامنے اللہ کا نازل کردہ سچا دین پیش کریں، یہی انبیاء کی سنت ہے۔

سنت کی حفاظت میں جو چاہو تو سزا دو
یہ فرض بہرحال ادا کرتے رہیں گے

فقه الحديث

حافظ زبیر علی زئی

زبان اور شرمگاہ کی حفاظت

أضواء المصابيح في تحقيق مشكوة المصابيح

(۲۹) عن معاذ ، قال: قلت يا رسول الله ! أخبرني بعملٍ يدخلني الجنة ، ويباعدني من النار . قال: ((لقد سألت عن أمر عظيم ، وإنه ليسير على من يسره الله[تعالى] عليه : تعبدالله ولا تشرك به شيئاً، وتقيم الصلاة ، وتؤتى الزكاة ، وتصوم رمضان، وتحج البيت)) ثم قال: ((ألا أدلك على أبواب الخير؟ الصوم جنة ،والصدقة تطفئ الخطيئة كما يطفئ الماء النار، وصلاة الرجل في جوف الليل)) ثم تلا: (تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ......)حتى بلغ (يَعْمَلُوْنَ) ثم قال: ((ألاأدلك برأس الأمر وعموده وذروة سنامه؟)) قلت : بلى يا رسول الله ﷺ! قال: ((رأس الأمر الإسلام ، وعموده الصلاة ، وذروة سنامه الجهاد.)) ثم قال: ((ألا أخبرك بملاك ذلك كله ؟)) قلت: بلى يا نبي الله ! فأخذ بلسانه فقال: ((كف عليك هذا)) فقلت: يانبي الله !وإنا لمؤاخذون بما نتكلم به ؟ قال: ((ثكلتك امك يا معاذ! وهل يكب الناس في النار على وجوههم أو على مناخرهم، إلا حصائد ألسنتهم ؟)) رواه أحمد، والترمذي، وابن ماجة.

(سیدنا) معاذ (بن جبل رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کردے اور (جہنم کی) آگ سے دُور کردے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: یقیناً تُو نے بڑی (اہم) بات کے بارے میں پوچھا ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ اسے آسان فرمائے تو اُس کے لئے (بہت) آسان ہے۔ اللہ کی عبادت کر اور اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر، نماز قائم کر اور زکوۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھ اور (اللہ کے) گھر کا حج کر۔ پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا: کیا میں تجھے خیر کے دروازے نہ بتادوں؟ روزہ ڈھال ہے، گناہوں کو صدقہ اس طرح ختم کردیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور آدمی کا آدھی رات کو (نفل) نماز پڑھنا۔ پھر آپ نے (یہ آیات) تلاوت فرمائیں: ﴿تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

اُن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف واُمید کے ساتھ پکارتے ہیں اور ہم نے اُنہیں جو رِزق دیا اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُن کے لئے کونسی (نعمتیں) چھپا کر رکھی گئی ہیں جن میں اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ یہ بدلہ ہے اُس کا جو یہ اعمال کرتے تھے۔ (سورۃ السجدۃ:۱۶، ۱۷)

پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا: کیا میں تجھے تمام اُمور کا سر، ستون اور کوہان کی چوٹی نہ بتادوں؟

میں نے کہا: جی ہاں یارسول اللہ! ضرور بتائیں، آپ (ﷺ) نے فرمایا: امور (دین) کا سر اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ (ﷺ) نے فرمایا: کیا میں تجھے ان سب اُمور کی اصل بنیاد نہ بتا دوں؟ میں نے کہا: ضرور بتائیں یا نبی اللہ! تو آپ نے اپنی زبان (مبارک) پکڑ کر فرمایا: اسے روک لے، میں نے پوچھا: ہم جو باتیں کرتے ہیں کیا ان کا بھی مواخذہ ہوگا؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: اے معاذ! اللہ تجھ پر رحم کرے، زبانی (فضول) باتیں ہی لوگوں کو (جہنم کی) آگ میں منہ یا نتھنوں کے بل گراتی ہیں۔

اسے احمد (بن حنبل ۲۳۱/۵ ح ۲۲۳۶۶) ترمذی (۲۶۱۶ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) اور ابن ماجہ (۳۹۷۳) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث:

حسن ہے۔ اس کے راوی ابو وائل شقیق بن رحمہ اللہ (تا) سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت اٹھارہ سال کے نوجوان تھے۔ ابو مدلس نہیں ہیں لہٰذا سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے ان کی روایت اتصال پر محمول ہے۔ بعض الناس کا اسے منقطع قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ ابو وائل کے نیچے سند حسن لذاتہ ہے۔ قاری عاصم بن ابی النجود حسن الحدیث ہیں، جمہور محدثین کرام نے ان کی توثیق کی ہے۔ عاصم بن ابی النجود پر بعض محدثین کی جرح جمہور کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

راویانِ حدیث کی دو قسمیں ہیں۔

۱: جن کی جرح وتعدیل میں کوئی اختلاف نہیں، اتفاق واجماع ہے مثلاً سعید بن المسیب، سعید بن اور امام زہری وغیرہم بالاجماع ثقہ ہیں۔ محمد بن مروان السدی، ثویر بن ابی فاختہ اور حماد بن الجعد وغیرہم بالاجماع مجروح ہیں۔

۲: جن راویوں کی جرح وتعدیل میں محدثین کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ ایسے راویوں کے بارے میں عام و خاص اور جمع وتطبیق کی عدم موجودگی میں ہمیشہ جمہور محدثین کو ہی ترجیح ہوتی ہے۔

فقه الحديث:

۱: اس حدیث مین دینِ اسلام کے اہم ارکان اور افعالِ خیر کا ذکر ہے۔

۲: زبان کی حفاظت اہم ترین مسئلہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ((من يضمن لي ما بين لحييه و ما بين رجليه، أضمن له الجنة)) جو شخص مجھے زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

(صحیح ا ری: ۶۴۷۴ واضواء المصابیح: ۴۸۱۲)

ایک روایت میں آیا ہے کہ:

((إن العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان الله، لا يلقى لها بالاً ، يهوي بها في جهنم))

بندہ (اپنے رب) اللہ کی خوشنودی کی ایسی بات کہہ دیتا ہے، جس کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا تو اللہ اس کے درجے (بہت) بلند کر دیتا ہے، اور بندہ (اپنے رب) اللہ کی ناراضی کی بات کہہ دیتا ہے جس کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا

تو اسے اس کی وجہ سے جہنم میں گرایا جائے گا۔(صحیح ا ری:۴۷۴،۶۴۷۵،۶۴ وصحیح :۲۹۸۸/۵۰ واَضواء المصابیح: ۴۸۱۳)

۳: سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بہت زیادہ فضائل ہیں۔آپ کو نبی کریم ﷺ نے یمن کی طرف معلم بنا کر بھیجا تھا۔سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:''رہا عالم کی غلطی کا مسئلہ تو (سنو) اگر وہ سیدھے راستے پر بھی (جا رہا) ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو''(کتاب الزھد للإمام وکیع ۱/۳۰۰ ح ۷۱ وسندہ حسن،الحدیث حضرو:۹ص۴۴)

م ہوا کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ لوگوں کو تقلید سے منع کرتے اور کتاب وسنت کی پیروی کا حکم دیتے تھے لہٰذا تقلید کرنے والے لوگ اُن کی مخالفت کرتے ہیں۔

۴: نماز دین کا ستون ہے اور جہاد اس کی کوہان ہے۔یاد رہے کہ کتاب وسنت کی دعوت دینا اور اہلِ باطل کا رد کرنا بہت بڑا اجہاد ہے۔والحمد للہ

۵: اللہ کا خوف اور جنت کی طمع وحصول کا خیال رکھتے ہوئے عبادت کرنا بالکل صحیح ہے۔

(۳۱) ورواه الترمذي عن معاذ بن أنس مع تقديم وتأخير وفيه : فقد استكمل إيمانه

اور اسے ترمذی (۲۵۲۱) نے (سیدنا) معاذ بن انس (رضی اللہ عنہ) سے تقدیم وتاخیر کے ساتھ روایت کیا ہے۔اس میں یہ الفاظ بھی ہیں: پس اس کا ایمان ہو گیا۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن ہے،اسے حاکم (۲/۱۶۴) وذہبی نے شیخین کی شرط (!) پر صحیح کہا ہے۔ اسے'' **ھذا حدیث منکر** '' کہنا غلط ہے۔

(۳۲) وعن أبي ذر قال قال رسول الله ﷺ : أفضل الأعمال الحب فى الله والبغض فى الله ، رواه أبو داؤد

(سیدنا) ابوذر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اعمال میں سب سے افضل یہ ہے کہ اللہ کے لئے محبت کی جائے اور اللہ کے لئے (ہی) بغض کیا جائے۔اسے ابوداود (۴۵۹۹) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ہے۔یزید بن ابی زیاد جمہور محدثین کے نزدیک راوی ہے۔قال البوصیری: وضعفه الجمهور (زوائد سنن ابن ماجہ:۲۱۱۶) اور دوسرا راوی مُجر ِ ل ''مجہول ہے۔

وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ إِلَّا الْمَكْتُوْبَةُ))

جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی۔

[صحیح :۷۱۰ وترقیم دارالسلام:۱۶۴۴]

فضل اکبر کاشمیری

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الأحکام

سوال وجواب / تخریج الأحادیث

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم بھائی حافظ زبیر علی زئی صاحب اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے آمین ۔ الحدیث کی اشاعت پر آپ مبارکباد کے مستحق ہیں اس کا تحقیقی معیار تمام معاصر جرائد سے بہترین ہے گزارش ہے کہ جتنے اہلحدیث مدارس ہیں وہاں آپ ایک ایک رسالہ ضرور ارسال کریں تاکہ لوگوں کو اور خصوصاً علماء اور طلباء کو اس رسالے سے آگاہی ہو۔ میں گزشتہ دنوں جامعہ اشاعۃ العلوم (149/E6) عارف والا ضلع پاکپتن میں گیا، اساتذہ سے اس بارے میں کی، کہنے لگے ابھی تک ہم نے اس کا مطالعہ نہیں کیا سنا ہے پھر میں نے ایک پرچہ لے جا کر ان کو دیا۔

ان دو حدیثوں کے بارے میں تحقیق درکار ہے الحدیث میں شائع کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔

ا۔ لوگوں میں رہے کہ ایک رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ میں حاضر ہوا آپ نے اس کو حکم دیا کہ مدینہ میں ہی رہے وہ ایک مہینہ ٹھہرا رہا ایک مہینے کے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے پاس کوئی مریض نہیں آیا تو آپ نے فرمایا کہ یہاں کے لوگ کھانا تب کھاتے ہیں جب ان کو سخت بھوک لگی ہوتی ہے اس لئے لوگ بیمار نہیں ہوتے۔

مہربانی کر کے وضاحت فرمادیں کیا یہ بات درست ہے یا رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس پر بہتان ہے۔

۲۔ البدایہ والنہایہ مترجم نفیس اکیڈمی کراچی جلد پنجم صفحہ نمبر ۵۲۲ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

ماریہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے لئے ابراہیم نامی بیٹے کو جنم دیا اور آپ ﷺ نے ساتویں روز اس کا عقیقہ کیا اور اس کا سر منڈایا اور اس کے سر کے بالوں کے برابر مساکین میں چاندی صدقہ کی اور آپ کے حکم سے ان کے بال زمین میں دفن کر دیئے گئے اور اس کا نام ابراہیم رکھا۔ کیا مذکورہ روایت صحیح ہے اور رسول اللہ ﷺ نے عقیقہ کے روز بال منڈوا کر زمین میں دفن کرنے کا حکم دیا ہے وضاحت فرمادیں۔

۳۔ جنازہ کے پیچھے آواز بلند کرنا اس کی ممانعت میں احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں یا صحابہ کرام کا ناپسندیدگی کا اظہار کرنا؟ صحیح و دلائل بیان فرمادیں تاکہ لوگوں کو سمجھانے میں آسانی رہے یہ بھی الحدیث میں شائع کر دیں۔

والسلام محمد رمضان سلفی

خطیب جامع بیت المکرّم اہلحدیث عارف والا ضلع پاکپتن''

تھوڑا کھانے کی فضیلت / جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر؟

الجواب: آپ کی مسئولہ روایات کی مختصر و جامع تحقیق درج ذیل ہے۔

۱: یہ روایت تلاش بسیار کے باوجود مجھے کہیں نہیں ملی۔

تنبیہ (۱): جس روایت کی سند اور حوالہ نہ ہو وہ مردود و بے اصل کے حکم میں ہوتی ہے الا یہ کہ کوئی شخص اس کی صحیح و حسن سند دریافت کرلے۔

تنبیہ (۲): یحییٰ بن جابر الطائی (ثقہ/تا) فرماتے ہیں کہ: ''**سمعت المقدام بن معدی کرب الکندي قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: ماملأ ابن آدم وعاءً شرّاً من بطن ،حسب ابن آدم أکلات یقمن صلبه،فإن کان لامحالة فثلث طعام ،وثلث شراب وثلث لنفسه**'' میں نے مقدام بن معدی کرب الکندی (رضی اللہ عنہ) سے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ابن آدم نے پیٹ سے زیادہ برُا برتن کوئی نہیں بھرا۔ ابن آدم کے لیے اتنے لقمے کافی ہیں جن سے اُس کی پیٹھ سیدھی ہو جائے۔ اگر (پیٹ بھرنا) ضروری ہے تو تین حصے کرے۔ ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے۔ (احمد ج ۴ ص ۱۳۲ ح ۱۷۳۱۸ وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم ۴/ ۳۳۱ ح ۷۹۴۵ ووافقہ الذہبی)

یہ روایت سنن الترمذی (۲۳۸۰ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) اور صحیح ابن حبان (موارد الظمآن: ۱۳۴۹، الاحسان: ۶۷۳۰ دوسرا نسخہ: ۶۷۴) میں بھی موجود ہے۔ بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ روایت یحییٰ اور سیدنا مقدام رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں مردود ہے۔ نیز دیکھئے السلسلۃ الصحیحۃ للشیخ البانی رحمہ اللہ (۵/ ۳۳۷ ح ۲۲۶۵) وارواء الغلیل (۷/ ۴۲ ح ۱۹۸۳) اس روایت کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ والحمدللہ

اس حدیث سے م ہوا کہ کھانا تھوڑا کھانا چاہیے۔ پیٹ بھرنے سے اجتناب بہتر اور افضل ہے۔ ایک ر حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر (ومنافق) سات آنتوں میں (یعنی بہت زیادہ) کھاتا ہے دیکھئے صحیح ا ری (۵۳۹۴) وصحیح (۲۰۶۱)

یاد رہے کہ بعض اوقات خوب پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ نے کھانا کھایا ''وشبعوا'' اور پیٹ بھر کر کھایا (صحیح ا ری: ۵۳۸۱ کتاب الأطعمۃ باب من أکل حتی شبع) وصحیح (۲۰۴۰) نیز دیکھئے صحیح (۲۱۴۴ وترقیم دارالسلام: ۶۳۲۲)

۲: یہ روایت البدایہ والنہایہ (عربی ج ۵ ص ۲۶۴ فی ذکر سراریہ علیہ السلام) میں الواقدی: حدثنا یعقوب بن محمد بن ابی صعصعۃ عن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعۃ کی سند سے مذکور ہے۔ واقدی رکذاب ہے دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۸/ ۲۱)

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعۃ تا ہے دیکھئے تقریب التہذیب (۳۴۳۱)

نتیجہ: یہ روایت واقدی کی وجہ سے موضوع ہے۔

۳: جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آثارِ سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ: آتے جاتے وقت جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کے پیچھے چلتے تو آپ سے لا الہ الا اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں سُنا جاتا تھا۔(الکامل لابن عدی ۲۶۹/۱، ۱۶۰۷/۴، ۱۶۰۸ونصب الرایہ ۲۹۲/۲ وجاء الحق/مفتی احمد یار نعیمی بریلوی ،طبع قدیم ج۳ص ۴۰۴)اس روایت کا راوی ابراہیم بن احمد بن عبدالکریم عرف ابن ابی حمید الحرانی الضریر جھوٹا تھا، کان یضع الحدیث وہ حدیثیں گھڑتا تھا (الکامل لابن عدی ۲۶۹/۱ لسان المیزان ۲۸/۱)

نتیجہ: یہ سند موضوع ہے۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ''أکثروا فی الجنازة قول: لا إله إلا الله'' جنازہ میں کثرت سے لا الہ الا اللہ کہو۔(الدیلمی ۳۲/۱ بحوالہ سلسلۃ الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ۱۴۶/۶ ح ۲۸۸۱)

اس میں عبداللہ بن محمد بن وہب، یحییٰ بن محمد بن صالح اور خالد بن القرشی نا م راوی ہیں۔

نتیجہ: یہ روایت موضوع و بے اصل ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۲رجب ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری سے منسوب ایک بے اصل واقعہ

سوال: انوار خورشید دیوبندی نے حافظ ابن حجر (ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری ج۲ص ۲۵۳) کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تراویح کے بعد تہجد پڑ تھے۔(حدیث اور اہلحدیث ص ۶۸۳) کیا یہ بات صحیح ہے؟

[تنویر حسین شاہ ہزاروی، ۲۱ شعبان ۱۴۲۶ھ]

الجواب: حافظ ابن حجر کی بیان کردہ روایت کی سند کا ایک راوی مقسم یا مسبح یا نسج بن سعید یا سعد ہے۔دیکھئے ہدی الساری (ص ۴۸۱) وتاریخ بغداد (ج۲ص ۱۲) وتاریخ دمشق (ج ۵۵ص ۵۸) بعض مخطوط میں فسیح یا مسیح لکھا ہوا ہے۔

ان ناموں کا کوئی راوی اسماء الرجال کی کتابوں میں نہیں ملا لہٰذا یہ مجہول ہے۔

خلاصہ: یہ واقعہ باطل و بے اصل ہے، امام بخاری رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۱ شعبان ۱۴۲۶ھ)

جنت کے نوجوانوں کے سردار

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الحسن والحسین سیدا شباب أهل الجنة حسن اور حسین دونوں، جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں [رضی اللہ عنہما] (السنن الکبریٰ للنسائی ۱۴۹/۵ ح ۸۵۲۵ وسندہ صحیح)

یہ حدیث متواتر ہے دیکھئے قطف الأزهار المتناثرة فی الأخبار المتواترة (۱۰۵) لقط اللآلي المتناثرة فی الأحادیث المتواترة (۴۵) نظم المتناثر من الحدیث المتواتر (۲۳۵) والحمد لله

فضل اکبر کاشمیری

(قسط نمبر 2 آخری)

ابوالاسجد صدیق رضا

اتباع اور تقلید میں فرق

چوتھا فرق:- قبولیتِ عمل کی یقین دہانی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد:۳۳)

اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد مت کرو۔

جو عمل اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے مطابق نہ ہو وہ عمل باطل ہے، اس کی کوئی فضیلت ہے نہ کوئی ثواب، اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من عمل عملا لیس علیہ أمرنا فھو رد'' (صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة ورد محدثات الأمور ح ۱۷۱۸ ودارالسلام: ۴۴۹۳)

جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ عمل مردود ہے، یعنی نامقبول ہے۔ اسے رد کر دیا جائے گا۔

جس عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا طریقہ موجود نہ ہو وہ عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ اس کو قبول نہیں کرتا اور جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور حکم واطاعت کے مطابق ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾

اگر تم اللہ کی اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے رہو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کمی نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (الحجرات:۱۴)

کس قدر یقین دہانی کرائی گئی، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں اگر عمل کیا جائے تو اللہ اس میں کوئی کمی نہیں کرے گا بلکہ اللہ اسے قبول فرمائے گا۔ اور جو لوگوں کے مقرر کردہ اپنے بنائے ہوئے امام ہیں اُن کی تقلید کی یہ شان نہیں اُس کی یہ فضیلت نہیں، اُن کے طریقے کے مطابق ادا کئے جانے والے اعمال کے لیے یہ یقین دہانی نہیں ہے بلکہ خود ساختہ اماموں کی تقلید تو سراسر شک والی کیفیات پر مبنی ہے، اُن کا اپنا بھی یہی فیصلہ ہے، ملاحظہ علامہ علاء الدین الحصکفی نے درمختار میں لکھا:

''إذا سئلنا عن مذھبنا ومذھب مخالفنا قلنا وجوباً مذھبنا صواب یحتمل الخطأ ومذھب مخالفنا خطأ یحتمل الصواب.''

اگر ہم سے ہمارے مذہب اور ہمارے مخالف کے مذہب سے متعلق پوچھا جائے (کہ کونسا مذہب صحیح ہے) تو

ہم یقیناً یہی کہیں گے کہ کہ ہمارا مذہب یا ہمارا طریقِ عمل صحیح ہے، البتہ اس میں غلطی کا احتمال ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب یا طریقِ عمل غلط ہے، ہوسکتا ہے کہ وہی صحیح ہو۔ (درمختار ج ا ص ۷)

اسی طرح ِدیوبند کے ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی نی صاحب لکھتے ہیں:

''یہ اعتقاد بھی تقلید کا بدترین غُلو ہے کہ صرف ہمارے امام کا حق ہے اور دوسرے مجتہدین کے مذاہب (معاذ اللہ) باطل ہیں'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۵۷)

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

''البتہ ایک مقلد یہ اعتقاد رکھ سکتا ہے کہ میرے امام کا صحیح ہے، مگر اس میں خطا کا بھی احتمال ہے اور دوسرے مذاہب میں ائمہ سے اجتہادی خطا ہوئی ہے لیکن ان میں صحت کا بھی احتمال ہے'' (ایضاً ص ۱۵۷)

لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ اُن کی اطاعت کرنے والا اُن کی پیروی کرے، جب اُن سے کوئی بات ثابت ہوجائے تو اُس کے پاس اس بات کے کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی کہ وہ کہے میرے امام کی یہ بات درست ہے اور معاذ اللہ اس میں خطا کا امکان ہے۔ نہیں بلکہ اُس پر لازم ہے، ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ کہے کہ میرے امام کی ہی بات درست ہے اس میں خطا کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ یقیناً غلط ہے، اس کی غلطی میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں یہ ایک اور بے مثال فرق ہے۔ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام کی اطاعت کرنے والا یقین پر ہوتا ہے اور لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید یا پیروی کرنے والا شک وفریب میں ہوتا ہے۔

پانچواں فرق:- فیصلۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حتمی وابدی ہونا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝﴾

کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اُس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردے تو پھر اُسے اپنے معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔ (الاحزاب: ۳۶)

اس آیت سے واضح ہوا کہ کسی مومن کے پاس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ''فیصلے'' کے آجانے کے بعد کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اُس کے پاس ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ وہ اُسے صدقِ دل سے تسلیم کرلے، ورنہ وہ گمراہی میں مبتلا ہوجائے گا۔ یہ شان ہے اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' کی، اور حق کی یہی شان ہوتی ہے۔

اس کے برعکس ''خودساختہ امام'' کے فیصلوں کی نہ تو یہ شان ہے نہ ہی اہمیت۔اور خوداُن کے مقلدین کوبھی اس کا اعتراف ہے، دیوبندی مکتبہ فکر کے ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی نی صاحب لکھتے ہیں:

''نیز جہاں مسلمانوں کی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو وہاں اس خاص مسئلے میں کسی دوسرے مجتہد کے قول پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے، جس کی شرائط اصول فقہ وفتویٰ کی کتابوں میں موجود ہیں، چنانچہ ''علمائے احناف'' نے انہی وجوہ سے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کا قول چھوڑ دیا ہے، مثلاً استیجار علیٰ تعلیم القرآن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز تھا، لیکن زمانے کے تغیر کی وجہ سے بعد کے فقہائے حنفیہ نے اُسے جائز قرار دیا، اسی طرح مفقود الخبر عنین اور متعنت وغیرہ کی بیوی کے لیے اصل مذہب میں گلوخلاصی کی کوئی صورت نہ تھی، چنانچہ متاخرین علماءِ حنفیہ نے ان تمام مسائل میں مالکی مذہب کو اختیار کرکے اُس پر فتویٰ دیا'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۴۱) ''آج بھی جن مسائل میں یہ محسوس ہو کہ مسلمانوں کی کوئی واقعی اجتماعی ضرورت داعی ہے، وہاں متبحر علماء ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے امام کے کو اختیار کرنے کا فیصلہ کرسکتے ہیں'' (ایضاً ص ۱۴۱)

اسی طرح ایک اور مقام پر دیوبندی ''شیخ الاسلام'' تقی نی صاحب لکھتے ہیں:

''چنانچہ بہت سے فقہاءِ حنفیہؒ نے اسی بناء پر امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترک کرکے دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے مثلاً انگور کی شراب کے علاوہ دوسری نشہ آور اشیاء کو اتنا کم پینا جس سے نشہ نہ ہو، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قوت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے، لیکن فقہاء حنفیہ نے اس مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو چھوڑ کر جمہور کا قول اختیار کیا ہے، اسی طرح مزارعت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے لیکن فقہاء حنفیہ نے امام صاحب کے کو چھوڑ کر متناسب حصہ پیداوار کی مزارعت کو جائز قرار دیا ہے اور یہ مثالیں تو اُن مسائل کی ہیں جن میں ''تمام متاخرین فقہاء حنفیہ امام صاحب) کے قول کو ترک کرنے پر متفق ہوگئے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۰۷ تا ۱۰۸)

مفتی تقی نی صاحب کی یہ تمام باتیں قابل غور ہیں خود ہی بار بار اپنے مقرر کردہ امام صاحب کی نافرمانی یا اُن کے اقوال کو جانتے بوجھتے نظر انداز و ترک کرنے کا اعلان کرتے ہیں، امام صاحب انگور کی شراب کے علاوہ دیگر نشہ آور اشیاء کو اتنی مقدار میں پینا کہ نشہ نہ ہو، جائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن احناف اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ مزارعت ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ''ناجائز'' حنفیوں کے ہاں جائز، لاپتہ وگمشدہ شخص کی بیوی کے لیے ''اصل مذہب'' میں گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی تھی لیکن آج کل ایسے شخص کی بیوی چار سال انتظار کے بعد ''اصل مذہب'' کے عین خلاف جان چھڑا سکتی ہے۔ کتنی ایسی باتیں ہیں جو کل تک ''اصل مذہب'' میں ''ناجائز وحرام'' تھیں آج ''جائز وحلال'' ہیں یا اس کے برعکس تو پھر مذہب اصلی کہاں رہا؟

پھر تقی نی صاحب نے خودساختہ امام کے کو چھوڑ کر چار اماموں میں سے کسی اور امام کے قول کو اختیار کرنے کا بھی صاف الفاظ میں اختیار دیا ہے۔ غور تو یہ ایک اور عظیم فرق ہے ''اللہ کے مقرر کردہ امام'' اور ''لوگوں کے مقرر کردہ امام'' کی اطاعت میں۔ حالات کچھ بھی ہوں واقعی اجتماعی ضروریات ہی کیوں نہ داعی ہوں پر اللہ تعالیٰ

کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''چودہ سو سال'' پہلے کی حلال و جائز کردہ چیز کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''حرام و ناجائز'' کردہ چیز کو ''حلال و جائز'' قرار دیا جاسکتا ہے، بلکہ ایمان والے تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کو حرام و ناجائز قرار دیا وہ قیامت تک حرام و ناجائز ہے اور جس چیز کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز و حلال قرار دیا وہ قیامت تک جائز و حلال ہے، اس کے خلاف ذہن رکھنے والا مومن نہیں ہوسکتا، اللہ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فیصلہ حتمی و ابدی ہے وقتی یا عارضی نہیں۔ اس میں کسی کو کسی قسم کے تغیر و تبدّل کا اختیار نہیں جبکہ ''لوگوں کے اپنے مقرر کردہ امام'' کی یہ شان نہیں خود ان کی تقلید کو فرض اور واجب قرار دینے والے لوگوں نے اپنے مقرر کردہ امام کے کتنے ہی فیصلوں کو بدل دیا ہے، اس کے خلاف اور مخالفت میں فیصلہ دیا۔ تقی صاحب لکھتے ہیں:

''بہت سے مسائل میں مشائخ حنفیہ نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے''

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

پس یہ ایک اور واضح فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی بات ترک نہیں کر سکتے اور بندوں کے مقرر کردہ امام کی کئی باتوں کو خود ان کی تقلید کو واجب کہنے والوں نے بھی ترک کر دیا۔ باوجود اس کے وہ ان کی تقلید شخصی کو واجب سمجھتے ہیں۔ یاللعجب!

چھٹا فرق:- دردناک عذاب کی وعید

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

''پس (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے امر کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آجائے'' (النور: ۶۳)

اس آیت میں اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر یعنی حکم یا فعل کی مخالفت کرنے والے یا اس سے پہلو تہی کرنے والے کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ یہ شان صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا فعل کی ہے، لوگوں کے مقرر کردہ امام کی تقلید کی یہ شان نہیں بلکہ وہاں بلاخوف و خطر ان کے امر و نواہی کی مخالفت نہ صرف کی جاسکتی ہے بلکہ علانیہ طور پر کی گئی ہے، جس کی بہت سی مثالیں آپ فقہ کی کتابوں میں پائیں گے اور بطور نمونہ بعض مسائل تقی [illegible]نی صاحب کے قلم سے گزشتہ صفحات میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہ ایک اور عظیم فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت و فرمانبرداری میں اور لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید و پیروی میں کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی مخالفت کرے گا تو اُسے دردناک عذاب کی وعید ہے، لیکن اگر کوئی لوگوں کے مقرر کردہ امام کے امر کی مخالفت کرے تو اسے [illegible]لی عذاب کی بھی وعید نہیں، جب ہی تو لوگوں

کے مقرر کردہ امام کی پیروی وتقلید کرنے والے ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی   نی نے واشگاف اعلان فرمایا کہ:

''بہت سے مسائل میں مشائخ حنفیہ نے امام ابوحنیفہؒ کے قول کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔''

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی مستند ذرائع سے موجود ہے۔ اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی مخالفت کرے گا تو وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو جائے گا، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ عذاب سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ومحبت کے حصول کے لیے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے رہیں۔ اگر ابوحنیفہ یا امام شافعی وغیرہما کے کسی قول وفعل کی مخالفت کی تو کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ تم پر اللہ کا عذاب آئے گا۔

پس ہمیں سرے سے یہ جاننے کی ضرورت ہی نہیں کہ امام ابوحنیفہ یا کسی اور امام کا قول کیا ہے؟ ہمیں تو بس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کی تلاش رہنی چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تلاش رہنی چاہئے۔ تاکہ ہم اُس پر عمل پیرا ہوں اور اس کی مخالفت کرکے اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مرتکب نہ ہوں۔

ساتواں فرق:- ایمان کا دارومدار

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ کبھی مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے (تمام) باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو بھی فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سربسر تسلیم کرلیں۔ (النسآء: ۶۵)

یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خصوصیت ہے، آپ کے علاوہ کسی اور شخص کی بات کا انکار کفر نہیں۔ دیوبندیوں کے موجودہ دور کے ''امام اہل سنت'' مولوی سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہنچائی ہوئی اور بتائی ہوئی ہر ایک تعلیم خدا تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت ہوتی ہے'' (راہ سنت ص ۲۳)

''اور اس کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہوتی ہے اور اُس کی پیش کردہ تعلیم کا انکار کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ رسول کے سوا کسی دوسرے شخص کو اور اس کی پیش کردہ تعلیم کو ہرگز ہرگز یہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا۔'' (ایضاً ص ۲۳، بیسواں ایڈیشن)

اس مقام پر سرفراز خان صاحب نے صاف صاف اور واضح الفاظ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی شخص کا یہ منصب نہیں کہ اُس کی تعلیمات کا انکار کفر ہو۔ مثلاً اگر کوئی امام ابوحنیفہ کی رائے، قیاس یا اجتہاد کا انکار کردیتا ہے تو وہ کافر نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص امام مالک، امام شافعی یا امام احمد بن حنبل یا کسی اور امام کی

رائے وقیاس کا انکار کر دیتا ہے تو وہ کافر نہیں ۔ کیونکہ لوگوں نے خود اپنی مرضی سے انہیں امام بنایا، مطاع بنایا، تقلید کے نام پر ان کی اطاعت کو اپنے آپ پر اپنی طرف سے فرض یا واجب بھی قرار دیا۔ لیکن ان کو امام ماننے والا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان کی رائے وقیاس کا انکار کفر ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقرر کردہ امام ومطاع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مطیع بڑے ہی یقین اور وثوق سے ببانگ دہل یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تو دور آپ کی کسی ایک بھی ثابت شدہ تعلیم، گفتار یا عمل کا انکار کرنے والا یقیناً کافر ہے۔ حق کی یہی شان ہوتی ہے کہ اس کا انکار کفر ہی ہوتا ہے۔ غور تو یہ ایک اور عظیم فرق ہے، اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور لوگوں کی طرف سے بنائے گئے ائمہ کی تقلید میں ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا انکار اور آپ کی نافرمانی کفر ہے اور لوگوں کے مقرر کردہ امام کی پیروی وتقلید نہ کرنا کفر نہیں ۔ دوسرے لوگوں کا تو کیا ذکر خود ان کے مقلدین نے بھی ان کی کئی تعلیمات اور ان کے کئی فیصلوں کو تسلیم کرنے سے علانیہ طور پر انکار کر دیا بطور مثال پانچواں فرق ملاحظہ ۔

آٹھواں فرق: شرعی حجت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع یعنی فرمانبرداری وپیروی کا حکم دیا۔ گزشتہ اوراق میں اس کی کئی دلیلیں گزری ہیں، کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ ہم بطورِ مثال مولوی سرفراز خان صفدر کی چند عبارتیں پیش کرتے ہیں:

(۱) ''جس طرح قرآن کریم دینی مسائل میں حجت ہے اسی طرح حدیث شریف بھی حجت ہے۔''

(احسان الباری ص۱۲)

(۲) ''قرآن پاک میں ان کے علاوہ اور بھی بے شمار دلائل ہیں، جن میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت اور فرمانبرداری کو لازم قرار دیا گیا ہے اور نافرمانوں کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجت نہ ہوتے یا بالفاظِ دیگر حدیث حجت نہ ہوتی تو قرآنِ کریم میں اتنی تاکید کبھی نہ ہوتی اور نہ ہی آپ کی مخالفت کے سلسلے میں تہدید ہوتی۔'' (احسان الباری ص۱۶)

(۳) ''چونکہ احادیث کی حجّیت نصوصِ قطعیہ اور اجماع سے ثابت ہے۔''

(احسان الباری لفھم ا ری املائی تقریر ص۱۶)

اسی طرح صفدر صاحب اپنی تقریر ترمذی میں لکھتے ہیں:

''حدیث:- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر کو کہتے ہیں، تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے کسی نے کوئی بات کہی یا کوئی کام کیا، آپ ﷺ نے وہ بات سنی اور کام دیکھا اور اُس سے منع نہ کیا تو یہ بھی حدیث ہے کیونکہ نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرما کر اس کا جواز ثابت کر دیا اور تقریر کا لغوی معنیٰ ثابت کرنا ہے۔

(خزائن السنن ج ۱ ص ''ن'')

م ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل تو حجت ہے ہی پر کسی کے قول فعل پر آپ کی خاموشی آپ کا سکوت فرمانا اور منع کرنا بھی حجت ہے۔ یہ شان ہے، یہ مقام و مرتبہ ہے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ چونکہ آپ کو لوگوں نے اپنی طرف سے امامت یا قیادت و سیادت کے منصب پر فائز نہیں کیا بلکہ اللہ رب العالمین نے آپ کو یہ منصب عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مطاع و مقتدا بنایا، جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل وسکوت یعنی حدیث کی حجیت کا انکار کرے وہ یقیناً کفر کا مرتکب ہے۔ اس کے برعکس لوگوں کے مقرر کردہ امام کے بارے میں اُن کی تقلید کرنے والوں کا یہ اعلان ہے جو تقی ۔۔۔ نی صاحب کے قلم سے ملاحظہ ۔۔۔، لکھتے ہیں:

''علامہ ابن الھمامؒ اور علامہ ابن نجیمؒ ''تقلید'' کی تعریف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

''التقليد العمل بقول من ليس قوله احدى الحجج بلا حجة منها''

''تقلید کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا قول ماخذ شریعت میں سے نہیں ہے اس کے قول پر دلیل کا مطالبہ کئے بغیر عمل کر لینا۔''

اس تعریف نے واضح کر دیا کہ مقلد اپنے امام کے قول کو آخذ شریعت نہیں سمجھتا، کیونکہ مآخذِ شریعت صرف قرآن وسنت (اور انہی کے ذیل میں اجماع وقیاس) ہیں۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۴)

پھر کافی آگے چل کر لکھتے ہیں:

''جبکہ اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں ''تقلید'' کی تعریف کرتے ہوئے یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ ''مجتھد'' کے قول کا حجیت شرعیہ نہ ہونا خود تقلید کی تعریف میں داخل ہے۔'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵)

اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہی نہیں بلکہ فعل وسکوت بھی حجت ہے۔ لوگوں کی تسلی کے لیے ہم نے اس سلسلے میں یہ بات اُن حضرات کی تحریروں کے حوالے سے ذکر کی ہے جو خود لوگوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کرنے والے ہیں اور پھر انہی حضرات کا یہ واشگاف اعلان ہے کہ ان کے اپنے مقرر کردہ ''امام'' کا قول ''حجتِ شرعی'' نہیں۔ سرفراز خان صفدر صاحب نے بھی یہ بات بیان کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''اصطلاحی طور پر تقلید کا یہ مطلب ہے کہ جس کا قول حجت نہیں اس کے قول پر عمل کرنا۔'' (الکلام المفید ص ۳۵)

اسی طرح مولوی احمد رضا خان بریلوی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:

''تقلید غیر کے قول پر بلا حجۃ عمل کا نام ہے...... الخ'' (فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۰۴)

جب قول ہی حجت شرعی نہیں تو فعل، سکوت یا تقریر کس طرح حجت ہو سکتے ہیں۔ الغرض یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور لوگوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات حجت شرعی ہے اور اپنے بنائے ہوئے امام کی بات اُن کا قول وفعل سرے سے ''حجت شرعی'' نہیں۔

افسوس کہ اس کے باوجود لوگ بضد ہیں کہ ان کے خود مقرر کردہ امام کی ''تقلید'' واجب ہے اور جو لوگ اُن کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے اور ''شرعی حجت'' نہ ہونے کی وجہ سے ان کے امام کی پیروی نہیں کرتے تو یہ لوگ اُن پر طرح طرح کے لعن طعن کرتے ہیں۔ واجب تو ایک شرعی حکم ہے، جب اُن کے مقرر کردہ کسی بھی امام کا قول ''شرعی حجت'' نہیں تو اُن کی تقلید کس طرح واجب ہو سکتی ہے؟

نواں فرق:- حکمِ اطاعت وفرمانبرداری

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً فَاتَّبِعُوْهُ﴾

(اے نبی ﷺ کہہ دیجئے) بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے، پس تم اس کی اتباع کرو۔ (الانعام: ۱۵۳)

اس کے علاوہ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ آپ لوگوں کو اپنی اطاعت واتباع، فرمانبرداری وپیروی کا حکم دیں۔ اس سلسلے میں احادیث بھی کافی وارد ہوئی ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبٰى، قالوا: يا رسول الله ومن يأبى؟ قال: من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبٰى .''

ترجمہ: ''میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی سوائے ان لوگوں کے ں نے انکار کیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کون انکار کرے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے انکار کیا۔ (بخاری: ۷۲۸۰)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ أَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ یَعْصِنِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ'' جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ (صحیح کتاب الامارة ح: ۱۸۳۵ او دارالسلام ح: ۴۷۴۷)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمل کیا اور لوگوں کو اس عمل میں رخصت دے دی، لیکن بعض لوگوں نے وہ رخصت قبول کرنے سے گریز کیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ (پہلے) اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی، پھر ارشاد فرمایا: ''ما بال اقوام يتنزهون عن الشيئ أصنعه ؟ فو الله إني لأعلمهم بالله وأشدهم له خشية'' ''لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ جو کام میں کرتا ہوں کچھ لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں تمام لوگوں کی نسبت اللہ کے بارے میں زیادہ علم رکھتا ہوں (یعنی اس کی مرضی ومنشا اور اس کی ناراضی کے اسباب سے خوب واقف ہوں) اور لوگوں کی نسبت اللہ سے

زیادہ ڈرنے والا ہوں۔(بخاری:۶۱۰۱،۷۳۰۱وصحیح :۲۳۵۶ودارالسلام:۶۱۰۹)

اس پر بکثرت احادیث مروی ہیں استیعاب نہیں۔آیت مبارکہ اور احادیث مذکورہ پر غور تو واضح ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ اپنی اطاعت کا حکم دیا اور جن امور سے آپ نے منع فرمایا اُن سے باز رہنے کا حکم دیا۔اپنی اطاعت وفرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری قرار دیا اور اپنی نافرمانی کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی قرار دیا اور دخول جنت کی لازمی شرط اپنی اطاعت وفرمانبرداری کو قرار دیا۔یہی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی صراطِ مستقیم ہے،جس کی ہر مومن و کو طلب ہے۔یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ رب العالمین کی طرف سے مبعوث،مطاع،امام اور مقتدا ہیں۔

اس کے برعکس لوگوں نے خود اپنے لیے جن شخصیات کا انتخاب کیا اور انہیں اپنا ''امام'' بنایا انہوں نے کبھی بھی اپنی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم نہیں دیا بلکہ اس سے منع فرمایا۔شاہ ولی اللہ الدہلوی فرماتے ہیں:

''فان ھؤلاء الفقھاء کلھم قدنھوا عن تقلیدھم وتقلید غیرھم ،فقد خالفھم من قلدھم''

''یقیناً ان تمام فقہانے اپنی اور دوسروں کی تقلید سے منع فرمایا ہے،پس جس کسی نے اُن کی تقلید وپیروی کی انہوں نے ان فقہا کی مخالفت کی۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ ج۱ص۱۵۵)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان:

''لایحل لاحد یأخذ بقولی مالم یعلم من أین قلتہ ونھی إلی التقلید وندب الی معرفۃ الدلیل''

''کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ میرے قول کو لے،اُس پر عمل کرے جب تک کہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ میں نے کس دلیل سے یہ بات کہی ہے۔تقلید سے منع فرمایا اور دلیل کی معرفت حاصل کرنے کی ترغیب دلائی۔''

(مقدمہ عمدۃ الرعایہ ج۱ص۹)

یہ بات مولوی احمد رضا خان بریلوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں تحریر کی ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج۱ص۷۹)

امام مالک رحمہ اللہ کا فرمان:

''مامن أحد إلا وھو مأخوذ من کلامہ ومردود علیہ إلا رسول اللہ ﷺ''

''کوئی شخص ایسا نہیں کہ اُس کی بات لی بھی جاسکتی ہو اور اُس پر رد بھی کیا جاسکتا ہو سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ص۱۵۷)

امام شافعی کا فرمان:

''وقال یوما للمزنی:یاإبراھیم لاتقلدنی فی کل ماأقول وانظر فی ذلک لنفسک فإنہ دین''

''ایک دن اپنے شاگرد ابراہیم المزنی سے فرمایا: اے ابراہیم!میری ہر بات کی تقلید مت کرو بلکہ خود اپنے لیے(قرآن وسنت سے)دلائل دیکھو اس لیے کہ یہ دین ہے۔(حجۃ اللہ البالغۃ ج۱ص۱۵۷)

قال صاحبہ المزنی فی أول مختصرہ..... من أراد علم الشافعی نھی الشافعی عن تقلیدہ

وتقلید غیرہ

امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد ابراہیم المزنی نے اپنی اول مختصر میں فرمایا...... ''جو کوئی شافعی کے علم کو چاہتا ہے (تو وہ جان لے) امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی اور اپنے علاوہ کسی اور کی بھی تقلید سے منع فرمایا ہے'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص ۴۴۶)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فرمان:

''لا تقلدني ولا تقلدن مالكاً ،ولا الأوزاعی ،ولا النخعی ولا غيرهم ،وخذ الأحكام من حيث اخذوا من الكتاب والسنة''

''میری تقلید ہرگز نہ کرنا اور نہ ہی مالک رحمہ اللہ کی اور نہ ہی اوزاعی ونخعی کی اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور کی تقلید کرنا اور دینی احکام وہیں سے لینا جہاں سے انہوں نے لیے یعنی قرآن وسنت سے۔'' (حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۵۷) (۱)

غور !تو یہ ایک اور واضح فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت وفرمانبرداری میں اور اپنی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری ان کے حکم سے ہو رہی ہے اور ان اماموں کی تقلید ان کے مذکورہ بالا فرامین کے عین خلاف ہو رہی ہے۔ ان کی مرضی کے خلاف ہو رہی ہے۔ اگر تقلید کوئی اچھی چیز ہوتی تو ائمہ کرام تقلید سے کیوں منع فرماتے؟ م ہوا کہ نہ تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اماموں کی اطاعت کا حکم دیا نہ ان اماموں نے خود اپنی تقلید کا حکم دیا بلکہ انہوں نے تو صاف اور واضح الفاظ میں اس سے منع فرمایا اور قرآن وسنت کو اپنانے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ علماء تھے وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سارے عالم کی ہدایت کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا انہی کی غیر مشروط و اطاعت واتباع کو قیامت تک کے لیے فرض قرار دیا ہے، انہی کی اطاعت واتباع صراط مستقیم ہے اور انہی کی اطاعت وفرمانبرداری میں نجات ہے، جنت ہے اور ان سب سے بڑھ کر اللہ رب العالمین کی رضا ہے۔ ورضوان من اللہ اکبر

لیکن افسوس صد افسوس کہ یہ مقلدین اس قدر مغرور ہیں کہ اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے مستغنی وبے پروا ہو کر چوتھی صدی کے بعد ''تقلید'' کی بدعت ایجاد کی۔ مذمت میں قرآن وسنت کے دلائل کو نظر انداز کر دیا حتیٰ کہ اتنے متشدد وسخت ہیں کہ اپنے لیے ''امام'' منتخب کیا تقلید کے لئے ان کے فرامین کو بھی خاطر میں نہ لائے آج تک تقلید شخصی کے واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اللہ ہی ان مفتیان بے توفیق کو عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین .

دسواں فرق:- اطاعت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

---

(۱) صفحہ ۱۷، ۱۸ پر سب اقوال بطورِ الزامی جواب ہیں کیونکہ دیوبندی اور حضرات کے ہاں شاہ ولی اللہ الدہلوی مسلمہ امام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

الْعِقَابِ ۝﴾

اور جو تمہیں رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) دیں اُسے لے لو اور جس چیز سے منع فرمائیں اُس سے باز رہو اور تم اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (الحشر: ۷)

اس آیتِ مبارکہ کا حکم عام ہے کہ جو حکم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیں اُس پر عمل کرنا ہے اور جس چیز سے بھی منع فرمائیں اُس سے رک جانا ہے۔ اس تسلسل میں تقویٰ کا حکم دینا ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرنا اور آپ کی نافرمانی نہ کرنا تقویٰ کا لازمی تقاضا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنا، آپ کے حکم کو قبول نہ کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہی اور ممنوعہ امور کی خلاف ورزی کرنا اللہ رب العزت کے عذاب کا موجب ہے جیسا کہ (﴿إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾) کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ المختصر قرآن مجید کی اس آیت اور دیگر آیات سے ہمیں یہی حکم ملتا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کریں زندگی کے تمام امور میں خواہ اُن کا تعلق اعتقادیات سے ہو، فروعات سے ہو، معیشت وتجارت سے ہو، سیاسیات سے ہو، عائلی وخانگی امور سے ہو، ہر ہر معاملے میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی ہے۔ ہمیں یہ اختیار قطعاً نہیں کہ ہم کہیں کہ فلاں فلاں کے فرامین یا فیصلوں پر عمل کرنا ہے ہرگز نہیں اس کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: ﴿من رغب عن سنتي فليس مني﴾ جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (صحیح بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح ح ۵۰۶۳)

سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ﴿فإني أخشى إن تركت شيئا من أمره أن ازيغ﴾ میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کیا کرتے تھے، کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر (یعنی آپ کے قول وفعل) میں سے کسی بھی چیز کو چھوڑوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔ (صحیح ا ری کتاب فرض الخمس ح ۳۰۹۳ وصحیح ح ۱۷۵۹ ودار السلام ح ۴۵۸۰ کتاب الجهاد عن عائشة صدیقة رضی اللہ عنہا)

یہ فرمان ہے اُس ہستی کا بارگاہ رسالت سے ''صدیقیت'' کی سند ملی اور دنیا میں جنت کی خوشخبری دی گئی، اور جن کے ''أفضل البشر بعد الأنبياء'' ہونے پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ وہ حقیقت کا اظہار فرما رہے ہیں، لوگوں کو ذہن نشین کرا رہے ہیں کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کو ترک کردوں، چھوڑ دوں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ الحمد للہ یہ عظیم الشان مقام ہے اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کا۔ چونکہ آپ کو اللہ رب العالمین نے ''مطاع'' و ''مقتدا'' بنایا ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو امامت کے منصب پر فائز فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے۔

اس کے برعکس لوگوں کے بنائے ہوئے یا مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کا یہ مقام ومرتبہ قطعاً نہیں۔ کتنے ہی معاملات ایسے ہیں جن میں یہ اپنے مقرر کردہ خود ساختہ ''امام'' کی تقلید کے قائل نہیں۔

فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے۔

’’وإن خالف أبا حنيفة رحمه الله صاحباه فى ذلك فان كان اختلافهم اختلاف عصر و زمان كالقضاء بظاهر العدالة يأخذ بقول صاحبيه لتغير احوال الناس ، وفى المزارعة والمعاملة ونحوهما يختار قولهما لاجتماع المتاخرين على ذلك‘‘ (فتاویٰ قاضی خان ۲/۱)

’’اگر ابوحنیفہ کے صاحبین نے ابوحنیفہ کی مخالفت کی اور مخالفت کی وجہ زمانہ ہو جیسے گواہ کی ظاہری عدالت پر فیصلہ کرنا تو صاحبین کے قول پر فیصلہ ہوگا اسی طرح مزارعت اور معاملات اور ان کی طرح دیگر امور میں بھی صاحبین کا قول اختیار کریں گے متاخرین کے اس پر اجماع کی وجہ سے۔‘‘

علامہ ابن عابدین الشامی (فتاوی) السراجیہ کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

’’وقيل إذا كان أبو حنيفة فى جانب وصاحباه فى جانب فالمفتي بالخيار والأول اصح إذا لم يكن المفتي مجتهداً‘‘

’’اگر (امام) ابوحنیفہ کسی مسئلے میں ایک جانب اور ان کے صاحبین (یعنی دونوں شاگرد) دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے کہ جس کا چاہے قول لے لے۔‘‘ (ردالمحتار ج ا ص ۷۰)

اسی طرح لکھتے ہیں:

’’وقد صرّحو بأن الفتویٰ على قولِ محمد فى جميع مسائل ذوى الأرحام وفى قضاء الاشباه والنظائر الفتویٰ على قول أبى يوسف فيما يتعلق بالقضاء كما فى القنية والبزازية اى لحصول زيادةالعلم له به بالتجربة (ردالمحتار ج ا ص ۷۱ والنسخۃ الاخری ا/۵۳) وفى شرح البيرى أن الفتویٰ على قول أبى يوسف أيضاً فى الشهادات ، وعلى قول زفر فى سبع عشرة مسئلة حرر تها فى رسالة‘‘

اور علماء نے صراحت کی ہے کہ ذوی الارحام یعنی رشتہ داری سے متعلق تمام مسائل میں امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے اور ’’الاشباہ و النظائر ‘‘ کے قضاء میں ہے کہ ’’قضاء‘‘ (فیصلوں) سے متعلق تمام مسائل میں قاضی ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے۔ شرح ا ی میں ہے کہ گواہی سے متعلق مسائل میں بھی انہی کے قول پر فتویٰ ہوگا اور سترہ (۱۷) مسائل میں زفر کے قول پر فتویٰ ہے میں نے ایک رسالے میں تحریر کیا ہے۔ (ایضاً ج ا ص ۷۱)

مذکورہ بالا اقتباسات سے م ہوتا ہے کہ فقہا کی تصریحات سے درج ذیل مسائل میں فتویٰ امام ابوحنیفہ کے قول کے بجائے ان کے صاحبین کے قول پر ہے۔

(۱) ظاہری عدالت سے متعلق مسائل پر

(۲) مزارعت یعنی زمینداری سے متعلق مسائل پر

(۳) معاملات سے متعلق مسائل پر

(۴) ذوی الارحام (رشتہ داری) سے متعلق مسائل پر

(۵) قضا (فیصلوں) سے متعلق مسائل پر

(۶) گواہی سے متعلق مسائل پر

(۷) اسی طرح سترہ (۱۷) مختلف مسائل پر زفر کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

اب دیکھئے یہ کس قدر اہم مسائل ہیں ان پر یہ اپنے مقرر کردہ ''امام'' کے قول پر فتویٰ دینا پسند نہیں کرتے۔ بلکہ اصول بنالئے گئے ہیں کہ ان مسائل پر صاحبین کے قول پر ''فتویٰ'' دیا جائے اور بعض چیزوں میں ابوحنیفہ کے مقابلے میں ان کے شاگردوں کے علم وتجربہ کی زیادتی کا اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ اسی بنا پر ان کے قول پر فتویٰ دینے کو ترجیح دی گئی۔

دیوبندی ''شیخ الاسلام'' مفتی تقی نی صاحب لکھتے ہیں: ''تمام اصولِ فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ تقلید عقائد اور ضروریات دین میں نہیں ہوتی'' (تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۱۶)

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اصول عقائد میں تقلید کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔

دیوبندی مکتبہ فکر کے موجودہ ''امام اہلسنت'' سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں:

''بفضلہ تعالیٰ یہ بات بیان کی جاچکی ہے کہ عقائد اور اصولِ دین میں تقلید جائز اور درست نہیں ہے اور نہ ہی نصوص قرآن کریم اور صریح وصحیح احادیث اور اجماع امت کے خلاف مسائل میں تقلید جائز ہے۔''

(الکلام المفید ص ۲۳۵)

ان کے ''وکیل احناف'' اور ''مناظر اسلام'' امین اوکاڑوی نے لکھا:

''صرف مسائل اجتہادیہ میں تقلید کی جاتی ہے۔'' (مجموعہ رسائل جدید ایڈیشن ج ۱ ص ۱۹)

اسی طرح بریلویوں کے '' الامت'' احمد یار خان نعیمی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''تفسیر روح البیان آخر سورۃ ھود آیت **نصیبھم غیر منقوص** میں ہے ''**وفی الآیۃ ذم التقلید وھو قبول قول الغیر بلادلیل وھو جائز فی الفروعِ والعملیات ولا یجوز فی اصول الدین والاعتقادیات بل لابدمن النظر والاستدلال**...... عقائد میں تقلید جائز نہیں۔''

(جاء الحق ص ۲۵ ،مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

'' الامت'' صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ نہیں لکھا جو کچھ اس طرح ہے:

''اس آیت میں تقلید کی مذمت ہے اور تقلید (کہتے ہیں) کسی غیر کے قول کو بلا حجت تسلیم کرنا اور یہ (تقلید) جائز ہے فروعات وعملیات میں اور جائز نہیں اصولِ دین اور عقائد میں بلکہ دلیل پر نظر اور استدلال لازمی ہے۔''

اسی طرح نعیمی صاحب نے لکھا ہے:

''نیز تفسیر پارہ دس زیر آیت ''**فاجرہ حتی یسمع کلام اللّٰہ** میں ہے **ھذہ الأیۃ تدلّ علی أنّ التقلید غیر کاف فی الدین وانّہ لابد من النظر والاستدلال**''

(جاء الحق ص ۲۵، پرانا نسخہ ص ۱۸ مکتبہ اسلامیہ لاہور۔ص ۲۵، ضیاء الدین پبلیکیشنز)

موصوف نعیمی صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ لکھنے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لی، ترجمہ کچھ اس طرح ہے:

''یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ بے شک دین میں تقلید کافی نہیں ہے اور یہ کہ تحقیق واستدلال لازمی ہے۔''

الغرض ان عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ مندرجہ ذیل امور میں بھی اپنے بنائے ہوئے ''امام'' کی تقلید کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۱) عقائد میں

(۲) اصول عقائد میں

(۳) صریح احکام میں (جاء الحق ص ۲۶ پرانا نسخہ ص ۷ ملخصاً، مکتبہ اسلامیہ)

(۴) اصولِ دین میں

(۵) ضروریات دین میں

قصہ مختصر بقول ''وکیل دیوبندیت'' امین اوکاڑوی صرف ''مسائل اجتہادیہ'' میں تقلید کی جاتی ہے۔ بقیہ تمام امور میں اپنے بنائے ہوئے ''امام'' کی تقلید کو غیر ضروری ہی نہیں بلکہ ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں۔ واجب کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اب غور ! اللہ کے مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اور لوگوں کے خود ساختہ امام کی تقلید یعنی بلا حجت شرعی پیروی میں کس قدر واضح فرق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر معاملے میں اتباع وفرمانبرداری لازمی ہے۔ خواہ وہ عقائد کے مسائل ہوں، اصول دین ہوں یا ضروریاتِ دین، صریح احکام ہوں، ظاہری عدالت، مزارعت، قضا، شہادت، تجارت، معیشت، سیاست بلکہ تمام معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اتباع وپیروی اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرض ہے، لازم ہے۔ کوئی صاحبِ ایمان یہ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ فلاں فلاں امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے کسی اور کے قول وفعل پر فتویٰ ہوگا (نعوذ باللہ) اور نہ کوئی صاحبِ ایمان یہ جرأت کرسکتا ہے کہ وہ کہے کہ چونکہ فلاں فلاں دینی امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے فلاں شخص کا علم وتجربہ زیادہ ہے (نعوذ باللہ) پس اسی لیے ان امور میں فلاں شخص کے قول پر فتویٰ ہوگا جیسا کہ اپنی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' کی تقلید کرنے والوں نے اپنے امام کے متعلق کہا اور ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اللہ کے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ کہنا ایمان وہدایت واسلام سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے مترادف ہے۔

پس یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت وپیروی میں اور لوگوں کے خود ساختہ امام کی تقلید میں۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' والذی نفس محمد بیده لو بدالکم موسی فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل ولو كان حيًّا وأدرك نبوتي لاتبعني'' (سنن الدارمی: ۴۴۱ دوسرا نسخہ: ۴۴۹ وسندہ ، فیہ مجالد بن سعید وھو عند الجمھور)

''اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے ،اگر موسیٰ علیہ السلام تمہارے سامنے تشریف لے آئیں اور تم میرے بجائے اُن کی اتباع کرنے لگو تو سیدھے راستے سے گمراہ ہو جاؤ گے اور موسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے ،تو وہ بھی میری اتباع کرتے ۔'' یہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ومرتبہ اور آپ کی اطاعت واتباع کی اہمیت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد آپ کا طریقہ چھوڑ کر کسی نبی علیہ السلام کی پیروی بھی نہیں کی جاسکتی ورنہ گمراہی وبے راہ روی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔اب امتی وغیر نبی کس شمار میں ہیں؟ لہٰذا ایمان وعقل کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ہر معاملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت وہدایت کے طلبگار رہیں اور خلوص کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوں۔

گیارہواں فرق: ترکِ اطاعت ہلاکت وبربادی

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

''قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها لایزیغ عنها بعدی إلا هالک''

''(لوگو)! میں تمہیں ایسے دین پر چھوڑے جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے۔میرے بعد اس سے صرف وہ شخص گریز کرے گا جسے ہلاک ہونا ہے۔(سنن ابن ماجہ ح:۴۳ اِسنادہ صحیح)

یہ حدیث وضاحت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے دین پر چھوڑا جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں۔اس میں کہیں اندھیرا نہیں، روشنی ہی روشنی ہے۔روشنی میں ہر چیز واضح نظر آتی ہے،کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی کہ جس کا دیکھنا مشکل ہو۔اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو جس دین پر چھوڑا اُس دین کی ہر ہر بات انتہائی روشن ہے،واضح ہے،اس میں کہیں پیچیدگیاں، موشگافیاں اورا نہیں ہیں،نہ ہی یہ بہت زیادہ مشکل اور کانٹوں بھری وادی ہے،جیسا کہ بعض لوگ کہتے اور سمجھتے ہیں۔

اس قدر روشن اور اتنے آسان دین سے وہی شخص دور ہوگا وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ہلاکت ، بربادی اور تباہی چاہتا ہو۔یہ ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ دین۔جبکہ لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ دین کے امام کی یہ حیثیت نہیں،نہ تو انہوں نے کبھی اس طرح کا دعویٰ کیا اور یقیناً ان کے فرمودات میں نقص ہے کہ جس کی تلافی کے لیے لوگوں نے ان کے علاوہ دیگر لوگ بھی تلاش کر لیے کہ فلاں اور فلاں قسم کے مسائل میں فلاں اور فلاں کے قول پر فتویٰ ہوگا،اور اس پر عمل ہوگا اپنے مقرر کردہ امام کے قول پر نہ فتویٰ ہوگا نہ ہی عمل ۔یقیناً یہ روشن اور واضح نہیں ہے،اسی وجہ سے تو یہ ضرورت پیش آئی ۔اگر چہ لوگ عام طور پر یہ کہے سنے جاتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے دین کو آسان اور واضح کر دیا۔اگر اتنا ہی آسان کر دیا تھا تو آپ آج تک اُس میں (کتر بیونت) کمی بیشی کیوں کر رہے ہیں جس کی مثالیں ہم فرق میں واضح کر چکے ہیں ۔یہ کیا آسانی ہوئی کہ آپ کو آج تک کمی بیشی کی ضرورت پڑ رہی ہے اور آئندہ بھی آپ اس کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا وہ ہمیشہ ہی سے آسان تھا اور قیامت تک کے

حالانکہ احادیث سے واضح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر اسے حرام قرار نہیں دیا تھا لیکن چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق سے نکلا ہوا ایک ایک فقرہ اور جملہ ضابطہ حیات ہے، ہر ہر عمل مشعل رشد وہدایت ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہتی دنیا تک کے لیے امام، مقتدا ومطاع ہیں، آپ کی اطاعت واتباع کا حکم ہے تو لوگ کہیں آپ کی پیروی میں ایک حلال چیز کو حرام نہ کر بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ نے وضاحت نازل فرما دی۔

اس سے م ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی خاص نگرانی میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم "معصوم عن الخطاء" تھے اگر ایک آدھ واقعہ پیش آیا بھی تو اُس کی فوراً اصلاح کر دی گئی آپ کو خطا پر باقی نہیں رکھا گیا، لہٰذا ان کے کسی قول وفعل میں خطا کا امکان نہیں یہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی شان وعظمت ہے۔ اب لوگوں کی طرف سے مقرر کردہ یا لوگوں کے بنائے ہوئے اماموں کا حال ملاحظہ ۔ مفتی تقی نی صاحب لکھتے ہیں:

"اور ائمہ مجتہدین کے بارے میں تمام مقلدین کا عقیدہ یہ ہے کہ اُن کے ہر اجتہاد میں خطاء کا احتمال ہے۔"

(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵)

سرفراز خان صفدر صاحب لکھتے ہیں: "کتب اصول میں وہ صراحت سے یہ قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ **المجتھد یخطئ ویصیب** یعنی مجتہد کی رائے خطا بھی ہو سکتی ہے اور درست بھی ہو سکتی ہے وہ معصوم نہیں۔" (الکلام المفید ص ۳۳۰۔ اس کے علاوہ ص ۳۳۱)

اسی طرح سرفراز خان صفدر صاحب اپنی ایک اور کتاب (**ازالۃ الریب**) میں ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی الحنفی اور شیخ احمد المدعو، مُلا جیون الحنفی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وإن كان أخطأ الرّأي ينزل الوحي للتنبيه على الخطأ وماتقرّر على الخطأ قط بخلاف سائر المجتهدين فانهم إن أخطأ وا يبقى خطأ هم إلى يوم القيامة" (نور الانوار مع المنار ص ۲۱۸)

اور اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے خطا سرزد ہوتی تھی تو خطا پر تنبیہ کے لیے وحی نازل ہوتی تھی اور آپ کو خطا پر ہرگز برقرار نہیں رکھا جاتا تھا، بخلاف دیگر سب مجتہدین کے کیونکہ اگر ان سے خطا سرزد ہو جائے تو قیامت تک اُن کی خطا باقی رہتی ہے۔" (ازالۃ الریب ص ۸۶)

قیامت تک خطا باقی رہنے کی ایک وجہ تو ظاہر ہے کہ اُن پر وحی کا نزول نہیں ہوتا اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ "امام" نہیں کہ جن کا ہر ہر قول ضابطہ حیات ہو اور ہر ہر عمل رشد وہدایت ہو اور نہ ہی اللہ کی طرف سے مقتدا ومطاع ہیں۔ غور تو ایک اور واضح فرق ہے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں اور بندوں کی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ کے مقرر کردہ امام کی اطاعت میں خطا کا احتمال تک نہیں اور بندوں کی طرف سے بنائے ہوئے امام کی تقلید میں خطا کی پیروی کا سو امکان ہے، جبکہ سرفراز خان صفدر صاحب ہی نے علامہ محمد یعقوب البمبانی الحنفی کا یہ قول بھی اس کتاب میں نقل فرمایا کہ: "**ولا اتباع فی الخطأ**" کہ خطا میں پیروی (درست) نہیں (المولوی علی الحسامی ص ۴۶۱ ازالۃ الریب ص ۸۵) ہر ایمان والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے

مقرر کردہ امام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا امام بنالے اور اُن کی اتباع و پیروی کرتا رہے تاکہ وہ خطا میں پیروی کا مرتکب نہ ہو، جبکہ تقلید میں خطا میں بھی پیروی کا امکان ہے۔ افسوس کہ ان تمام حقائق کے باوجود یہ ''علماء'' تقلید شخصی کو واجب کہتے ہیں۔

چودھواں فرق: ہر ہر بات حق

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنا کرتا اُسے، یاد کر لینے کے ارادے سے لکھ لیا کرتا تھا۔ قریش کے بعض لوگوں نے مجھے اس عمل سے روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کرو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں (بتقاضائے بشریت) آپ کبھی خوشی میں ہوتے ہیں اور کبھی ناراضی یا غصے میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا، تو آپ نے اپنی بابرکت انگلی سے اپنے مبارک منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

'' اکتب فوالذي نفسي بیده مایخرج منه إلا حق'' لکھو اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرے منہ سے حق بات کے سوا کچھ نہیں نکلتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، کتاب العلم باب فی کتاب العلم رقم الحدیث ۳۶۴۶، ورواہ الحاکم فی المستدرک، کتاب العلم رقم الحدیث ۳۵۷ وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد وافقہ الذھبی، المستدرک ج ا ص ۱۸۶ والنسخۃ القدیمۃ ج ا ص ۱۰۴)

سبحان اللہ! یہ عظیم مرتبہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا، آپ کے فرامین کا، کہ اللہ رب العالمین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کو محفوظ فرما دیا تھا کہ آپ کی زبان سے حق بات ہی نکلتی تھی، اور کیوں نہ ہوتا کہ آپ رہتی دنیا تک کے امام و مطاع و مقتدا ہیں۔ آپ کی زندگی بہترین نمونہ ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنی مبارک زبان سے نکلی ہوئی ہر ہر بات کے لکھنے کا حکم دیا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ اشکال رکھ دیا گیا تھا کہ لوگوں کے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے مزاجِ گرامی پر بعض اوقات غصہ و ناراضی کے آثار ہوتے ہیں اور بسا اوقات خوشی کے۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اشکال کے باوجود اپنی ہر ہر بات لکھنے کی اجازت دے کر گویا یہ وضاحت فرمادی کہ غصہ یا ناراضی ہو یا خوشی میری زبان سے ہمیشہ حق بات ہی نکلتی ہے ناحق بات کا تصور بھی نہ کرنا۔

اس کے برخلاف لوگوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' کا حال ملاحظہ ۔

''فقال یوماً أبو حنیفة لأبي یوسف : ویحک یا یعقوب ،لاتکتب کل ما تسمع مني ،فاني قد أرى الیوم غداً وأرى الرّای غدًا ،واترکه بعد غدٍ'' ایک دن ابوحنیفہ نے ابو یوسف سے کہا تیرا برا ہو اے یعقوب، مجھ سے سنی ہوئی ہر بات نہ لکھا کر، اس لیے کہ میں تو آج ایک رائے رکھتا ہوں کل اُسے ترک کردیتا ہوں اور کل دوسری رائے رکھتا ہوں تو پرسوں اُسے چھوڑ دیتا ہوں۔ (تاریخ ابن معین ج ۲ ص ۶۰۷ وسندہ حسن)

غور ! امام ابوحنیفہ کی حقیقت پسندی وحق گوئی پر، کس طرح واضح الفاظ میں اپنے اقوال کی حیثیت بیان

فرمائی کہ میں تو رائے سے بھی فتویٰ دیتا ہوں، رائے کا یہ حال ہے کہ آج رائے دی، کل اس سے بہتر رائے سامنے آئی تو وہ رائے اختیار کر لی، پرسوں ایک اور ''رائے'' اختیار کر لی اور سابقہ رائے چھوڑ دی۔ یہ میری ''رائے'' ہی تو ہے کوئی وحی تو نہیں ہے۔ پھر اس کی یہ حیثیت واہمیت قطعاً نہیں کہ اس کو لکھا جائے، تحریر میں لایا جائے، پس تو نہ لکھا کر اور لکھنے سے منع فرما دیا۔

الغرض یہ ایک اور عظیم فرق ہے اللہ کے مقرر کردہ ''امام'' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور بندوں کے اپنی طرف سے مقرر کردہ امام کی تقلید میں کہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ امام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلی ہوئی ہر ہر بات حق ہے، اس لیے وہ نہ صرف لکھے جانے کے لائق ہے بلکہ ضروری ہے اور اس بات کی پیروی کرنے والا حق کا پیرو ہے اور بندوں کے مقرر کردہ ''امام'' کی ''رائے'' لکھے جانے کی قطعاً ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ تو کسی بھی وقت بدل جاتی تھی، اُس کی تقلید کرنے والوں کا حق کی پیروی کرنے والا ہونا یقینی نہیں بلکہ غلطی پر ہونا یقینی ہے کہ عین تھا کہ وہ بھی بدل جاتی۔ ہر لحظہ بدلتی ہوئی بات کا حق ہونا یقینی قطعاً نہیں ہوسکتا البتہ غلط ہونا بالکل یقینی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک زبان سے متعلق ہمیں یہ بات بتلائی کہ ''اس زبان سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا''، بعض لوگوں نے اپنے لیے بھی اس بات کا دعویٰ کر دیا جیسا کہ دیوبندی ''قطب عالم'' رشید احمد گنگوہی صاحب کے متعلق لکھا گیا کہ: ''آپ نے کئی مرتبہ بحیثیت تبلیغ یہ الفاظ زبانِ فیض ترجمان سے فرمائے، سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر......''

(تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۱۷)

کیا یہ منصب رسالت پر ''ڈاکہ'' نہیں؟ کہ جو مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، یہ جناب رشید گنگوہی صاحب اپنے لیے ثابت کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾

اور ان کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ (الاعراف: ۱۵۸)

قرآن مجید تو بتاتا ہے کہ ہدایت ونجات موقوف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر۔ لیکن دیوبندیوں کے ''قطب عالم'' صاحب کا دعویٰ ہے کہ ''ہدایت ونجات موقوف ہے میرے اتباع پر'' کیا یہ قرآن مجید کی تعلیمات سے سراسر غفلت کا نتیجہ نہیں؟ کیا کوئی صاحب ایمان ومحبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے خصائص کو اپنے لیے ثابت کر سکتا ہے یا اپنے لیے بھی ان خصائص کا مدعی ہوسکتا ہے؟ مگر افسوس کہ بڑے بڑے القابات سے یاد جانے والے صاحب جبہ و دستار بعض افراد نے ایسے دعوے اور کئی لوگ ان کے راستے پر چل کر گمراہ ہوئے۔ تمت بالخیر (ختم شد)

تذکرۃ الاعیان

ابو محمد اسلم السندھی

حیات
شیخ العرب والعجم امام سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ
کے درخشاں پہلو

سرزمین سندھ کی تہذیب وثقافت کو تاریخ انسانیت کی قدیم ترین تہذیب کہا جائے یا اس کی قدیم جغرافیائی حدود کو چین ،خراسان اور فارس تک مانا جائے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ۔کیونکہ یہ چیز میرے لیے باعث ناز ومسرت نہیں۔لیکن مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میرا وطن بر میں وہ خوش قسمت بُقعہ (ٹکڑا) ہے جہاں خیر القرون کے صاف وشفاف اسلام کی شعائیں اس وقت نمودار ہوئیں جب مذاہب باطلہ اور فرق ضالہ کا وجود نا مسعود بھی نہیں تھا، اگر کہیں کسی بدعت کا شرود (گمراہی وانتشار) تھا تو ب تھا۔

بعض لوگوں کی تحقیق کے مطابق خلیفہ راشد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت سے لے کر صحابہ کرام اور دیگر مسلمانوں کا سندھ میں ورود جاری تھا۔جناب ن بن ابی العاص ثقفی ،حکم بن ابی العاص ثقفی ،ربیع بن زیاد حارثی، سہل بن عدی بن مالک الخزرجی ،صحار بن عباس العبدی وغیرہم رضی اللہ وہ صحابہ ہیں ں نے سندھ میں جہاد کیا اور سندھ کے مغربی علاقے کرمان اور مکران (جو کہ اس وقت حدود سندھ میں داخل تھے)اور دیبل وغیرہ میں وارد ہوئے تابعین میں سے کتنے ائمہ کرام سندھ میں داخل ہوئے اور کتنے سندھی مسلمانوں کو تبع تا ہونے کا شرف حاصل ہوا یہ بات اہل مطالعہ سے مخفی نہیں ہے۔کتب رجال میں آپ کو ایسے کئی اعیان (راشخاص) ملیں گے جو کہ سندھی تھے اور انہیں تا اور تبع تا ہونے کا شرف حاصل ہوا۔تفصیل کے لئے اسد الغابۃ ،الاستیعاب ،البدایہ والنہایہ لابن ، وجمھرۃ انساب العرب لابن حزم ،رجال السندھ والہند للقاضی اطہر المبارکفوری ،العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین للاطہر المبارکفوری ،معجم البلدان ،فتوح البلدان للبلاذری ،تہذیب التہذیب ،طبقات ابن سعد اور موسوعۃ التاریخ الاِسلامی والحضارۃ الاِسلامیۃ لبلاد السند والبنجاب (۴۵۹/۱۔۵۱۰) وغیرہ دیکھیں واللہ اعلم بالصواب

اس کے بعد (۹۳ھ) میں جناب محمد بن قاسم الثقفی رحمہ اللہ کی قیادت میں اہل حدیث لشکر نے سندھ کو باقاعدہ فتح کر لیا اور مستقل طور پر اپنا قبضہ برقرار رکھا یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔

یہی شفاف اسلام اہلِ حدیث کا دین ہے ،جس میں بعد کے باطل نظریات وعقائد کی آمیزش نہیں ہے اور سرزمین سندھ عرصہ دراز تک اہل حدیث کا مرکز رہی ہے۔چوتھی پانچویں صدی تک مذہب اہل حدیث دیار سندھ میں غالب تھا۔ مؤرخ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البشاری المقدسی (المتوفی 380ھ) تین سو پچھتر (375ھ) میں سندھ آئے۔انہوں نے اپنی کتاب ''احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم'' میں لکھا ہے۔

”مذاهب أكثرهم أصحاب الحديث و رأيت القاضي أبا محمد المنصوري داؤدياً إماماً في مذهبه و له تدريس و تصانيف قدصنف كتباًعدة حسنة ......وقال...... إنهم علىٰ طريقة مستقيمة و مذاهب محمودة و صلاح و عفة، قدأراحهم الله من الغلو والعصبية و الهرج و الفتنة“ یعنی یہاں کے اکثر باشندے اہلحدیث ہیں۔ اور میں نے یہاں قاضی ابومحمد المنصوری کو دیکھا جو کہ داودی (ظاہری) مذہب کا امام ہے، تدریس وتصنیف میں بھی مشغول ہے۔ بہت سی عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ لوگ سیدھے طریقے پر اور بہترین مذہب پر ہیں، نیک اور پرہیزگار ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں غلو، عصبیت، قتل وغارت گری اور فتنوں سے پناہ میں رکھا ہے۔ (ص۳۶۳ دوسرا نسخہ ص۴۸۱)

سلطان محمود الغزنوی (وفات ۴۲۲ھ بحوالہ کشف الظنون ج۱ص ۳۲۶) نے ہندوستان کو یکے بعد دیگرے حملے کرکے فتح کیا۔ ان کے دور میں بھی یہاں مذہب اہلحدیث غالب تھا۔ امام ابن حزم ۴۵۶ھ میں فوت ہوئے ہیں وہ لکھتے ہیں ”ثم افتتح السلطان العادل محمود بن سبكتكين فتوحات متصلات إلىٰ أن مات رحمه الله بلاداً عظيمة في الهند و هي الآن مسكونة بالمسلمين معمورة بطلاب الحديث و القرآن والغالب عليها ،والحمدلله رب العلمين مذهب أهل الظاهر (جمل فتوح الاسلام بعد رسول الله ﷺ لا بن حزم الملحق مع جوامع السيرة ص ۳۵۰) یعنی انصاف پسند حاکم محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے آخر تک لگاتار حملے کرکے ہند کے بڑے بڑے علاقے فتح کئے جہاں پر اب مسلمان رہائش پذیر ہیں اور حدیث وقرآن کے طالبان آباد ہیں اور الحمدللہ ان کی غالب اکثریت ظاہری مذہب کی ہے۔

ظاہری مذہب یہ ہے کہ قیاس وتقلید وغیرہ کو رد کرکے فقط قرآن وحدیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے اور تاویل سے بچا جائے یہی اہلحدیث کا مذہب ہے، ظاہری مذہب میں اجماع بھی حجت ہے۔ بجستان سے لے کر کچھ بھوج تک اور دیبل سے ملتان تک کے اس خطہ سرسبز میں بڑے بڑے ائمہ حدیث پیدا ہوئے ہیں۔ کتب تاریخ رجال کا بطن ان نفوس صالحہ کے ذکر سے خالی نہیں ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی عصر حاضر کے امام ومحدث سید ابومحمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ ہیں، جن کے علم وتفقہ کا عرب وعجم میں چرچا ہے۔ ہم اس مختصر مضمون میں علامہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی حیاۃ نافعہ، خاندانی پس منظر، تعلیم وتربیت، درس وتدریس، اصلاح وتبلیغ اور جہاد وتصنیف پر قلمی طبع آزمائی کریں گے۔ ان شاء اللہ

شاید اللہ تعالیٰ اس سے کسی قلب غافل کو بیدار کردے۔

خاندانی پس منظر:

سلسلہ نسب: سید بدیع الدین شاہ بن سید احسان اللہ شاہ بن سید رشد اللہ شاہ بن سید رشید الدین شاہ بن سید محمد یاسین شاہ بن سید راشد شاہ الراشدی الحسینی۔

سید بدیع الدین شاہ کی پانچویں پشت میں ان کے جدِ امجد سید راشد شاہ کی نسبت سے ان کی (یعنی راشد شاہ کی) اولاد کو راشدی کہا جاتا ہے۔ بقول شاہ صاحب رحمہ اللہ اور بقول صاحب کتاب ''راشدی خاندان کا شجرہ'' (سید فیض الدین شاہ راشدی) کے، آپ کے آباء واجداد میں سے سید علی مکی کاظمین سے بغرض دعوت وتبلیغ ہجرت کر کے سندھ کے ضلع دادو (DADU) میں لکی شاہ صدر کے مقام پر آ کر مقیم ہوئے۔ ان کی اولاد کو لکیاری سادات کہا جاتا ہے۔ لکیاری سادات کا مرکز آج بھی وہی جگہ ہے۔ لکیاری سادات کو سیدنا حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی اولاد کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ سید بدیع الدین شاہ اور ان کے برادر اکبر علامہ سید محبّ اللہ شاہ اپنے آپ کو لکھتے تھے۔ واللہ اعلم

سید راشد شاہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں سے سید صبغت اللہ شاہ کو خاندانی اور جماعتی سرپرستی کی علامت ''پگڑی'' دی گئی اور دوسرے فرزند سید یاسین شاہ کو دعوت وتبلیغ کی علامت ''جھنڈا'' دیا گیا جو کہ ان کے خاندان کی تبلیغی خدمات کے عوض انہیں افغانستان کے بادشاہ تیمور شاہ کے فرزند زمان شاہ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔ اب سید صبغت اللہ شاہ کی اولاد کو پیر پگاڑا خاندان اور سید یاسین شاہ کی اولاد کو پیر جھنڈا خاندان کہا جاتا ہے اور سید راشد شاہ کے دیگر بیٹوں کی اولاد کو فقط راشدی کہا جاتا ہے۔

دورِ حاضر میں سندھ کی معروف سیاسی شخصیت اور گدی نشین پیر پگاڑا صاحب اسی (پیر پگاڑا) خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ علامہ سید بدیع الدین شاہ پیر جھنڈا خاندان سے ہیں۔

بقول علامہ سید ابو القاسم محبّ اللہ شاہ اور علامہ سید بدیع الدین شاہ کے، ان کا خاندان ہمیشہ حدیث پر عامل رہا ہے۔ لیکن بقول سید محبّ اللہ شاہ ''ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق کام کیا ہے۔'' یہ ایک حقیقت ہے کہ سندھ میں عصرِ قریب میں سب سے پہلے قیاسی وآرائی فقہ کے مقابلہ میں حدیث کو اسی خاندان نے ترجیح دی ہے۔ اور فقہ کے غلط مسائل کو رد کرتے آئے ہیں۔ راشدی خاندان خصوصاً پیر جھنڈا خاندان کا کتب وعلم کے ساتھ زبردست تعلق ولگاؤ رہا ہے۔ اور وہ شروع سے ہی تقلید جامد کے خلاف رہے ہیں۔

پیر پگاڑا بھی پہلے تقلید کے خلاف تھے ان پر مجتہدانہ رنگ چڑھا ہوا تھا اور ان کے پاس ایسا کتب خانہ تھا کہ امراء وسلاطین کے پاس بھی ایسا کتب خانہ نہ ہوگا، جب صحیح بخاری کا قلمی نسخہ ان کے کتب خانہ میں لایا جا رہا تھا تو اپنی جماعت کو لے کر کافی فاصلہ طے کر کے اس کا ا ل کیا۔

پیر جھنڈا خاندان میں سب سے پہلے سید رشید الدین شاہ نے کھلم کھلا (علی الاعلان) اہل حدیث کی تبلیغ کی ان کے بھائی سید ہدایت اللہ شاہ راشدی بھی اہل علم میں سے تھے اور حدیث کی طرف مائل تھے۔ علامہ سید بدیع الدین شاہ لکھتے ہیں کہ سید رشید الدین شاہ کے ملفوظات کو ان کی جماعت کے لوگوں نے جمع کیا ہے۔ اس میں جابجا حدیث کو فقہ پر ترجیح دی ہے۔ اور عقیدہ ''ہمہ اوست'' اور صوفیوں کے لطائف کا رد کیا ہے۔ (رموز راشدیہ ص ۳)

ان کے فرزند علامہ سید رشد اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ سید نذیر حسین محدث دہلوی اور علامہ شوکانی کے تلمیذ رشید

علامہ حسین بن محسن الانصاری الیمانی کے شاگرد تھے۔سید رشد اللہ شاہ نے دو بڑے کام ۔ایک ''دارالرشاد'' کے نام سے مدرسہ قائم کیا جس کا بر کے شہرت یافتہ مدارس میں شمار ہوتا تھا اور دوسرا کارنامہ ''کتب خانہ'' کا قیام تھا۔ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں سید ضیاء الدین شاہ اور سید احسان اللہ شاہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور اسی جھگڑے کے نتیجے میں سید احسان اللہ شاہ کو اپنا آبائی گاؤں ترک کرنا پڑا اور جاتے وقت انہوں نے اپنے والد سید رشد اللہ شاہ کے کتب خانے سے کچھ کتابیں حاصل کیں جبکہ باقی کتب خانہ ان کے بھائی ضیاء الدین شاہ کے پاس رہا۔انہوں نے اس عظیم سرمایہ کی حفاظت نہیں کی اور مرورزمانہ نے اس انمول خزانے سے نہ جانے کتنی کتب کو چاٹ کر رکھ دیا۔سید ضیاء الدین شاہ اور ان کے دیگر بھائیوں کی اولاد کو دیوبندیت نے اپنے قبضہ میں لے لیا کیونکہ وہ لوگ علم سے دور ہو گئے تھے پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ ایک دیوبندی مولوی نے ان کی اولاد میں سے کسی کو کہا کہ آپ کے جد سید رشد اللہ شاہ کی کتاب میں ایسی باتیں ہیں جو آپ لوگوں کے مذہب کے خلاف ہیں لہذا اسے نہر میں پھینک دیں، ایسا ہی ہوا اور علامہ سید بدیع الدین شاہ کے شاگرد اور خادم مولانا اسحاق خاصخیلی صاحب کہتے ہیں کہ ایک دن ہم نہر میں نہانے کے لیے گئے تو پانی بہت کم اور نہ ہونے کے برابر تھا اور وہاں ہمیں ایک قلمی کتاب ملی جسے ہم شاہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس لائے انہوں نے اس کا مطالعہ کر کے بتایا کہ یہ کتاب ہمارے دادا سید رشد اللہ شاہ کی ہے۔پھر ایک وقت آیا کہ سید ضیاء الدین شاہ کی اولاد نے یہ کتب خانہ نیشنل میوزیم (قومی عجائب گھر) کراچی کو فروخت کر دیا اس وقت صرف قلمی مخطوطات آٹھ سو (۸۰۰) کی تعداد میں تھے اور جو ضائع ہو کر ختم ہو گئے تھے وہ اس کے علاوہ تھے۔

علامہ سید ابوتراب رشد اللہ شاہ پکے اہل حدیث تھے۔انہوں نے اہل حدیث کی بڑی خدمت کی ہے۔ علامہ فیروز آبادی کی کتاب ''سفر السعادہ'' کا سندھی میں ''ثمر آخرت'' کے نام سے ترجمہ کیا جس میں اہل حدیث کے امتیازی مسائل کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

یہاں پر ہم سید رشد اللہ شاہ کی ان چند تصانیف کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے حدیث کے متعلق یا مسلکِ اہل حدیث کی تائید میں لکھی ہیں۔

(۱) کشف الاستار عن رجال معانی الآثار (مدینہ منورہ سے عکسی طور پر شائع ہوئی ہے، کل صفحات ۱۳۹)

(۲) تجرید صحیح ا ری کا سندھی زبان میں ترجمہ

(۳) رفع الریب فی مسئلۃ علم ا ۔(یعنی عالم ا ہونا فقط اللہ تعالیٰ کی صفت ہے/ ''اصحاب علم وفضل'' میں اس کا نام ''کشف الریب عن مسئلۃ علم ا '' لکھا ہوا ہے ص ۱۴۱)

(۴) التقریر المعلی فی ان حدیث أفطر الحاجم والمحجوم منسوخ أم لا

(۵) الاعتناء فی مسئلۃ الاستواء (استواء باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے)

(۶) عین المتانۃ فی تکرار الجماعۃ (تکرارِ جماعت کے جواز پر ہے/اردو، اس میں رشید احمد گنگوہی دیوبندی کے ایک رسالے کا جواب دیا گیا ہے)

(۷) درج الدرر فی وضع الأیدی علی الصدر (عربی)

یہ رسالہ مخدوم محمد ہاشم التتوی (الدیبلی) السندی الحنفی کے رسالہ ''درہم الصرۃ فی وضع الایدی تحت السرۃ'' کا رد ہے۔

(۸) القِرىٰ لمصلي الجمعۃ فی القریٰ (عربی) گاؤں میں جمعہ کے جواز پر ہے۔

علامہ سید بدیع الدین شاہ کے والد گرامی سید احسان اللہ شاہ بن علامہ رشد اللہ شاہ کے متعلق سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ''وہ اسماء الرجال میں امام ہیں'' اور یہی بات علامہ سید بدیع الدین شاہ اپنے شیخ ابو محمد عبدالحق الہاشمی، علامہ سید محبّ اللہ شاہ راشدی اور علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری سے نقل کرتے ہیں۔

علامہ سید محبّ اللہ شاہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ''اگر کوئی مجھے رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان حلف دے کر پوچھے تو میں یہی کہوں گا کہ میں نے ان (سید احسان اللہ شاہ) سے بڑھ کر کوئی پاکباز اور صاحب تقویٰ نہیں دیکھا۔''

آپ غیرت مند اہل حدیث اور سنت نبوی سے زبردست محبت کرنے والے تھے۔ اسی وجہ سے انہیں ''پیر صاحب سنت والے'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

شوقِ کتب کا یہ عالم تھا کہ جس دور میں ابھی تاریخ بغداد شائع نہیں ہوئی تھی چودہ سو (1400) روپے خرچ کر کے مصر سے اس کی فوٹو کاپی بنوائی اور جب شائع ہوئی تو کل قیمت اٹھائیس (28) روپے تھی۔ انہوں نے اہلحدیث کی تائید میں ایک رسالہ الانصاف لکھا ہے۔

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی سندھی

شاہ صاحب ایک ثقہ امام، علم وفقہ کے بحر، تقویٰ وورع کے پیکر، ایک عظیم محدث اور عصر حاضر میں محدثین کرام کے صحیح جانشین [illegible]

ہمیشہ اساتذہ سے بادلائل واحترام بحث ومناظرے کرتے رہے بالآخران میں سے شدید ترین متعصب استاد بھی ہار مان گئے والحمدللہ تعالیٰ۔

حیرت کی بات ہے کہ شاہ صاحب کے سارے اساتذہ تھے کوئی بھی ان میں سلفی العقیدہ نہیں تھا، اس کے باوجود شاہ صاحب رحمہ اللہ عامل بالقرآن والحدیث اوراس کے مقابلے میں رائے وتقلید کا سخت رد کرنے والے تھے، اوراللہ تعالیٰ نے انہیں عظیم مرتبہ ومقام عطافرمایا کہ عرب وعجم سے طالبان علم سفر کرکے ان کے پاس پڑھنے کے لیے آتے اورآپ کوعصر حاضر میں اہل حدیث کا امام مانا گیا۔

ماہنامہ ''صراطِ مستقیم'' کراچی (ش ا۔ج ا) کے ایک سوال کے جواب میں شاہ صاحب کہتے ہیں کہ:

''غالباً والدہ کی دعاؤں کا اثر ہوا اوراللہ تعالیٰ نے ہمارا ذہن دینی علم کی طرف لگادیا۔اس زمانہ میں مطالعہ کا شوق پڑ گیا جبکہ پوری طرح عربی پڑھنا بھی نہیں آتی تھی۔ جو کچھ مجھے حاصل ہوا مطالعہ سے ہی حاصل ہوا'' **(ذلک فضل الله يؤ تيه من يشاء)**

فرمان الٰہی ہے کہ ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ج﴾ اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔(الانعام:۱۲۵)اورفرمان نبوی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) ہے''من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین یعنی اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی عطافرماتا ہے (صحیح ا ری:۲۷و صحیح :۱۰۳۷)

شاہ صاحب نے تعلیم کرنے کے بعد درج ذیل ناموراہل حدیث علماءکرام سے سنداجازۃ حاصل کی اوراستفادہ کیا۔

- شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناءاللہ امرتسری رحمہ اللہ فاتح قادیان
- امام حافظ عبداللہ محدث امرتسری روپڑی رحمہ اللہ
- علامہ ابومحمد عبدالحق البھاولفوری الھاشمی المھاجرالمکی رحمہ اللہ
- علامہ ابواسحاق نیک محمد
- علامہ ابوسعید شرف الدین الدہلوی رحمہ اللہ (آپ شاہ صاحب کی دعوت پر قیام پاکستان کے بعد مدرسہ دارالرشاد میں تدریس کے لیے تشریف لائے تھے)

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:''ویسے تو بہت سے لوگ میرے لئے قابلِ احترام ہیں لیکن خاص طور پر دوشخصیات نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ایک میرے والد احسان اللہ شاہ صاحب تھے۔انہوں نے بچپن میں ہمارے دل ودماغ میں یہ بات پختہ کردی کہ قرآن وحدیث کی بات سب پر مقدم ہے۔قرآن وسنت کے علاوہ کوئی بات نہیں ماننی۔دسرے مجھے بہت زیادہ علمی فوائد مولانا ثناءاللہ امرتسری سے حاصل ہوئے۔ان سے کافی صحبت ملی، پڑھنے پڑھانے کا طریقہ وہیں سے حاصل ہوا۔جب پنجاب جاتے تھے ان کے پاس رہتے تھے،کبھی دوکبھی تین دن اورزیادہ سے زیادہ بارہ دن۔غرض ہمیں جہاں بھی موقع ملتا ان سے فیض حاصل کرتے۔والد محترم کے ساتھ ان کی خاص دوستی تھی۔ہمارے خاندان کی بڑی عزت

کرتے تھے اور ہمارے ساتھ بہت زیادہ محبت سے پیش آتے تھے۔ (رموز ص ٦٧)

''قرآن وحدیث کے علاوہ کوئی بات نہیں مانی'' کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے خلاف کوئی بات نہیں مانی۔

اور اپنی ثبت ''منجد المستجیز''میں انہیں ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں ''**شیخنا الاستاذ المفسر المحدث حجة الله على الأرض**''

تدریسی خدمات:

شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے تدریس میں بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ جامع اور مختصر الفاظ میں مافی الضمیر کو بیان کرنا ان کا خاصہ تھا۔ آپ کی معلمانہ شفقت، شخصی وجاہت ورعب، تبحر علمی، قوۃ الا ستحضار والاستشہاد اور بے مثل خلوص کے امتزاج سے سکھلائی گئی بات سالہا سال گزرنے کے باوجود آج بھی کالنقش فی الحجر ہے۔

شاہ صاحب کے ایک شاگرد اپنے ایک خط میں آپ کے متعلق یوں اظہار خیال کرتے ہیں ''**أرسل لكم هذه الرسالة من أرض الجزيرة بعدأن يسر الله والتقينا بكم وطلبنا العلم علىٰ أيديكم برهة من الزمن فكنتم بحق خير معلم لطالب علم وهذا أقل مانقول في شيخ مثلكم**'' میں یہ خط ارض الجزیرہ (یعنی جزیرہ عرب) سے آپ کی خدمت میں ارسال کررہا ہوں اس سے قبل اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ سے ملاقات ہوئی اور ہم نے آپ سے علم حاصل کیا۔ بلاشک آپ طالب علم کے لیے بہترین استاد ہیں اور آپ جیسے شیخ اور استاد کی یہ کم از کم مدح ہے (ورنہ آپ کا مقام اس سے کہیں بلند ہے اور آپ اس سے بڑھ کر مدح کے مستحق ہیں) [**أبو سفيان سالم بن علي العمر / الكويت**]

شاہ صاحب نے پہلے اپنے خاندانی مدرسہ میں پڑھایا پھر جب اپنا الگ گاؤں آباد کیا تو وہاں پر المدرسۃ المحمدیہ اہل حدیث کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا وہاں پر منتہی طلبہ کو صحیح بخاری وغیرہ پڑھاتے رہے۔ اس کے علاوہ ملک اور بیرون ملک سے آنے والے طلبہ کو وقت نکال کر پڑھاتے تھے۔ سنہ 1974م سے 1978م تک مسجد الحرام میں عام طلبہ کو تفسیر ابن کثیر اور صحیح بخاری شریف پڑھاتے رہے۔ اس اثنا میں دارالحدیث الخیریۃ (مکہ مکرمہ) میں ایک سال تک مدرس رہے اور پھر رئیس مجلس القضاء الاعلیٰ جناب فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن حمید کی دعوت پر معہد الحرم المکی میں دو سال تک پڑھایا۔ اس دوران عرب وعجم سے آنے والے ہزاروں طلبۃ العلم نے شاہ صاحب سے پڑھا اور حرم شریف میں صحیح بخاری اور تفسیر ابن کثیر کے دروس ریکارڈ کر لئے، اس طرح بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ ان سے استفادہ کرنے والوں میں سعودی عرب کے جامعات کے بڑے بڑے مدرس شامل ہیں۔ پاکستان واپس آنے کے بعد انہوں نے مستقل طور پر نہیں پڑھایا لیکن ملک اور ملک سے باہر کے بے شمار طلبہ کرام آئے اور ان سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ آپ جامع المنقولات والمعقولات تھے۔ کسی بھی آنے والے سے یہ نہ پوچھتے کہ کون سی کتاب پڑھو گے بلکہ علوم اسلامیہ، صرف، لغت، ادب، عروض، غرض کسی بھی فن کی کتاب بغیر مطالعہ کے پڑھا دیتے تھے۔ آپ ایک اچھے طبیب بھی تھے

بعض طلبہ آپ سے فن طب کی کتابیں بھی پڑ ۔

تلامیذ: عرب وعجم میں آپ کے ہزاروں کی تعداد میں شاگرد ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو شیخ العرب والعجم کہتے ہیں۔ چند معروف تلامیذ کا ذکر کر لیتے ہیں ان میں سے بعض وہ بھی ہیں ں نے آپ سے سند اجازت حاصل کی ہے۔

- علامہ محدث مقبل بن ہادی الوادعی الیمانی رحمہ اللہ (عصر حاضر کے عظیم مدرس، محدث اور داعی تھے جن کے ہاں ایک وقت میں دو ہزار سے زائد طلبہ صحیح ا ری پڑ تھے)

۱- عمر بن محمد بن عبداللہ السبیل رحمہ اللہ سابق امام الحرم المکی

۲- شیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ السندی سابق استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ (کئی کتابوں کے مصنف تھے، رحمہ اللہ)

۳- شیخ عاصم بن عبداللہ القریونی استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ (کئی کتابوں کے مصنف ومحقق ہیں)

۴- شیخ حسن حیدر الیمانی الصنعانی۔ (یمن کے ر عالم، سنن الترمذی "مع الاسانید" کے حافظ ہیں)

۵- شیخ علی عامر الیمنی سابق مدیر دار الحدیث الخیریۃ بمکۃ المکرّمۃ

۶- شیخ حمدی عبدا السّلفی العراقی۔ (المعجم الکبیر للطبرانی وغیرہ بہت سی کتابوں کے محقق ہیں)

۷- دکتور بشار عواد معروف۔ بغداد/عراق (بہت سی کتابوں کے محقق ہیں)

۸- شیخ محمد احمد اسماعیل الاسکندریہ مصر

۹- شیخ عمر احمد سیف۔ یمن

۱۰- محمد موسیٰ نصر (بحرین)

۱۱- بدر بن عبداللہ البدر الکویتی

۱۲- شیخ ابوسعید الیر بوزی الترکی (کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی ایک کتاب "نماز" کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے جو عوام میں بہت زیادہ مقبول ہے)

۱۳- شیخ سعدی بن مھدی الھاشمی

۱۴- شیخ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی الہندی۔ استاذ جامعۃ الامام محمد بن سعود بالریاض (کئی کتابوں کے محقق ہیں)

۱۵- شیخ ربیع بن ہادی المدخلی۔ استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ/مدینہ منورہ وحال مقیم، العوالی/مکۃ مکرمۃ

۱۶- الدکتور عبدالمحسن بن محمد بن عبدالمحسن المنیف۔ استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ، رئیس اللجنۃ العلمیۃ بکلیۃ الشرعیۃ۔

۱۷- شیخ محمد ناصر **العجیمی** (الکویت)

۱۸- شیخ عایض الصلاح الشلامی (الکویت)

۱۹- شیخ عبداللہ السبت (الکویت)

۲۰- شیخ جاسم العون (الکویت)

۲۱- شیخ وصی اللہ بن محمد عباس الہندی (مکۃ مکرمۃ) (کئی کتابوں کے محقق ومصنف ہیں)

۲۲- شیخ محمد موسیٰ افریقی

۲۳- شیخ ابوالحارث علي بن حسن اليافي الاردني

۲۴- شیخ یعقوب بن موسیٰ الہدساوی

۲۵- شیخ صلاح الدین مقبول احمد الہندی (کئی کتابوں کے مصنف اور سلفی عالم ہیں)

۲۶- شیخ حکمت الحریری

۲۷- شیخ ابوہارون عوضی بن عبیداللہ البکاری الیمانی

۲۸- ابوطاہر حافظ زبیر بن مجدد علی زئی

۲۹- شیخ ارشاد الحق الاثری (مایہ ناز اہل حدیث عالم اور محقق، بہت سی مفید کتابوں کے مصنف ہیں)

۳۰- شیخ ابوسلمان عبداللہ ناصر رحمانی (کراچی کے مبلغ اور کئی کتابوں کے مؤلف ہیں)

۳۱- شیخ عبدالغفار اعوان المدنی

۳۲- الشیخ العلامۃ قاطع الشرک والبدعۃ السیف المہند ضد المبتدعۃ شمس الدین بن محمد اشرف الافغانی(۱)

۳۳- شیخ ابوعمر عبدالعزیز النورستانی (صوبہ سرحد میں سلفیت کا پرچم لہرانے والے مناظر، مبلغ اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں)

۳۴- شیخ برق التوحیدی

۳۵- شیخ عبدالرؤف ظفر

۳۶- شیخ حافظ ثناء اللہ الزاہدی

۳۷- شیخ غلام اللہ رحمتی پشاور

۳۸- شیخ احتشام الحق آسیا آبادی مکران بلوچستان

۳۹- شیخ عزیر شمس الہندی (کئی کتابوں کے مصنف ومحقق ہیں)

۴۰- شیخ محمد حسین ظاہری اوکاڑوی (وخلق لایحصیهم إلا الله)

دعوت وتبلیغ:

علم سے عمل اور نشر یعنی بنی آدم کو توحید وسنت کی دعوت دینا ہے اسی لیے انبیاء ورسل آئے۔

---

(۱)ثقة إمام حجة ، ومن حسناته "الماتريدية" في ثلاثة مجلات كبار، وكان شديداً على المبتدعين ......" رحمه الله (أنوار السبیل فی میزان الجرح والتعدیل ص ۹۶)

شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک کامیاب خطیب، داعی اور مبلغ تھے۔ ان کی گرجتی ہوئی آواز قلب کی گہرائیوں سے نکلتی تھی۔ حق گوئی ان کا شعار تھا، اس میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے انہوں نے ایک ''روایتی سست'' قوم کے اندر بھی ایک طوفانی کام کیا۔ جب انہوں نے سندھ کے اندر توحید وسنت کی دعوت کا آغاز کیا تو حالات کیا تھے؟ اسے خود انہی کے الفاظ میں سنیئے۔ ''چونکہ ہماری دعوت توحید وسنت کی اشاعت اور شرک وبدعت کی تردید سے شروع ہوئی اور اسی موضوع کے لیے وقف تھی اس لیے مخالفت کا ہونا لازمی (امر) تھا۔ ہمارے ملک (سندھ) میں پیری مریدی کا گھیراؤ تھا اور جگہ جگہ پیروں کی گدیاں آباد تھیں۔ اسی طرح کئی سال سے لوگوں پر تقلید کا جمود طاری تھا۔ باندریں حالات (یعنی ان حالات میں) توحید وسنت کی دعوت دینا اور شرک وبدعت کے خلاف آواز اُٹھانا کتنا مشکل اور کٹھن کام ہے یہ محتاج بیان نہیں۔'' (رموز راشدیہ 23.22)

جب شاہ صاحب نے سندھ میں دعوت توحید کا کام شروع کیا تو اُس وقت سندھ کے اندر بمشکل چند ایک مساجد جماعت اہل حدیث کی تھیں لیکن اب الحمدللہ صرف جمعیت اہل حدیث سندھ کے نظم کے تحت ایک ہزار کے قریب مساجد جماعت اہل حدیث کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو خطاب کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ کا حافظہ بے مثل تھا اور دوران خطاب قرآن، احادیث اور دیگر فنون کی کتب سے ا رکرنا ان کا خاصہ تھا۔ آپ کی تقاریر احادیث وقرآنی آیات سے مزین ہوتی تھیں۔ اسٹیج پر انہیں کوئی سا بھی موضوع ملتا آپ اس پر فوراً تقریر کرتے۔ انہوں نے سندھ کے علاوہ خصوصاً پنجاب میں بھی بہت کام کیا اور ہر چھوٹے بڑے شہر میں آپ کی تقاریر ہوتی تھیں۔ تقسیم ہند سے قبل بٹالہ ضلع گورداسپور میں سالانہ کانفرنس میں محض ۲۰ سال کی عمر میں صدارت کی حالانکہ اس وقت وہاں پر کبار علماء کرام موجود تھے۔ اس کے علاوہ امریکہ اور یورپ کے کئی ممالک میں طویل تبلیغی دورے ۔ سعودی عرب میں قیام کے دوران روزانہ عربی اور اردو زبانوں میں دروس دیئے، جس سے ہزاروں لوگوں کی اصلاح ہوئی۔ سعودی عرب کے علاوہ عمان، کویت، عرب امارات، بحرین، قطر، بنگلہ دیش اور کنٹاوا کے تبلیغی دورے بھی کئے۔

انہوں نے اپنے بعض تبلیغی دوروں کا حال قلم بند کیا ہے مثلاً تذکرۃ السفر فی بلاد اوروبا، سفرنامہ یورپ، سفرنامہ ہندوستان، سفرنامہ متحدہ عرب امارات، سفرنامہ امریکہ وکنٹاوا (غیر مطبوع ہیں) ہر سال نیوسعید آباد میں سیرۃ النبی کانفرنس منعقد کراتے جس میں پورے ملک سے علماء کرام تشریف لاتے اور سندھ کے کونے کونے سے اہل حدیث شریک ہوتے۔

آپ تقاریر میں نہایت شیریں آواز میں تلاوت کلام پاک فرماتے اور لوگ گھنٹوں توجہ کے ساتھ بیٹھ کر یوں خطاب سماعت کرتے گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔

شور شرابہ، تماشا اور نعرہ بازی وغیرہ کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ کے جلسے اور کانفرنسیں نظم وضبط اور سادگی کا زبردست نمونہ ہوتی تھیں۔

تالیفات:

شاہ صاحب رحمہ اللہ تدریس وخطابت کے ساتھ ساتھ میدان تالیف وتصنیف کے بھی شہسوار تھے۔ آپ کے

شاگرد مولانا عبدالغنی پسایو کہتے ہیں کہ ہم ایک ہی وقت میں چار کاتب شاہ صاحب کے پاس لکھتے تھے اور آپ سب کو مشغول رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے نظیر حافظہ اور قوت ا راور زبردست فہم وتفقہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے آپ کے لیے تالیف آسان تھی۔ آپ کا بڑا کارنامہ قرآن مجید کی سندھی زبان میں تفسیر بنام بدیع التفاسیر [1] ہے۔ یہ تفسیر آپ نے سلف صالحین کے منہج پر لکھی ہے۔ غیر عربی زبان میں خالص سلفی نہج پر اس پایہ کی تفسیر آپ کو کہیں نہیں ملے گی۔ (واللہ اعلم) ہم اس مضمون کے بعد ان شاء اللہ بدیع التفاسیر پر مختصر تبصرہ لکھیں گے۔ یہ تفسیر سورۃ النحل کی ابتدائی چند آیات تک لکھی گئی ہے۔ افسوس کہ نہ ہوسکی ورنہ اس کا بہت زیادہ فائدہ ہوتا۔ اس کے علاوہ دیگر کئی موضوعات مثلاً عقیدہ، حدیث، فقہی مسائل، ردتقلید، ردفرق ضالہ، نحو، ادب عربی اور اصول وغیرہ پر کتابیں لکھی ہیں۔ سب سے زیادہ عربی زبان میں 61 کتابیں اردو میں 32 اور سندھی میں 50 کتابیں لکھی ہیں۔

ہم یہاں پر آپ کی چند تصنیفات کا ذکر کرتے ہیں۔

عربی کتب:

(۱) السمط الابریز حاشیۃ مسند عمر بن عبدالعزیز (مطبوع)

(۲) المرآۃ لطرق حدیث من کان له إمام فقراء ة الإمام له قراء ة۔ (غیر مطبوع)

(۳) القندیل المشعول فی تحقیق حدیث اقتلوا الفاعل والمفعول (غ)

(۴) عین الشین بترک رفع یدین (م) مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کی کتاب کا رد ہے۔

(۵) العجوز لھدایۃ العجور (لفظ عجوز معانی پر ہے) [غ]

(۶) وصول الالھام لأصول الإسلام (غ) غیر منقوط رسالہ ہے۔

(۷) زیادۃ الخشوع بوضع الیدین فی القیام بعد الرکوع (م)

(۸) جزء منظوم فی أسماء المدلسین (م)

(۹) التعلیق المنصور علی فتح الغفور فی تحقیق وضع الیدین علی الصدور للشیخ محمد حیات السندی (م)

(۱۰) جلاء العینین بتخریج روایات البخاري فی جزء رفع الیدین (م)

(۱۱) غایۃ المرام فی تخریج جزء القراء ة خلف الإمام للبخاري

(۱۲) القول اللطیف فی الاحتجاج بالحدیث الضعیف۔ (غ)

(۱۳) أزھارا الحدائق فی تذکار من جمع أحادیث خیر الخلائق (غ)

(۱۴) الإجابة مع الإصابة فی ترتیب أحادیث البیھقي علی أسانید الصحابة (غ)

---

(1) اس کے علاوہ مستقل ایک جلد میں فن تفسیر احکام القرآن وغیرہ پر مقدمہ ہے، تفسیر اور مقدمہ مطبوع ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے عربی زبان میں بھی تفسیر لکھنی شروع کی تھی جو کہ سورۃ الفاتحۃ تک لکھی جاسکی جو ایک بڑی جلد میں ہے اور مقدمہ عربی میں بھی لکھا ہے دونوں غیر مطبوع ہیں۔

(۱۵) تحفة الأحباب فی تخریج أحادیث قول الترمذي وفی الباب (غ)

(۱۶) کشف المحوشرح هداية النحو

(۱۷) انماء الزکن فی تنقید انهاء السکن۔(ظفر تھانوی کے مقدمہ انہاء السکن کا زبردست رد ہے جسے شیخ صلاح الدین مقبول احمد نے اپنی تحقیق کے ساتھ "نقض قواعد فی علوم الحدیث" کے نام سے کویت سے شائع کیا ہے۔

(۱۸) شهادة الأحناف فی مسئلة علم الغیب علی سبیل الإنصاف

(۱۹) شرح کتاب التوحید (صغیر) لابن خزیمة

(۲۰) تفسیر القرآن الکریم المسمیٰ بالاستنباط العجیب فی اثبات التوحید من جمیع آیات الکتاب النجیب [غ] (اس کے سرورق پر شاہ صاحب لکھتے ہیں" هذا تفسیر روحي وهو أحری بأن یدعی بتفسیر القرآن بالقرآن " اس کتاب میں مصنف نے ہر آیت سے توحید پر استدلال کیا ہے اور آیات کی تفسیر فقط آیات ہی سے کی ہے۔

(۲۱) الطوام المرعشة فی بیان تحریفات أهل الرأی المدهشة ۔یہ کتاب بھی شیخ صلاح الدین مقبول احمد الہندی کی تحقیق سے کویت سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۲) توفیق الباري بترتیب جزء رفع الیدین للبخاري (غ)

اس کے علاوہ الیومیہ (Daily Diary) بھی لکھی ہے جس میں روزانہ کوئی مسئلہ، کسی آیت کی تفسیر یا کسی حدیث کی مختصر شرح لکھی ہے صرف ایک جلد موجود ہے باقی دیگر جلدیں بعض تصانیف کی طرح شاید ضائع ہوگئی ہیں۔واللہ اعلم

اردو کتب:

۱۔ توحید خالص (۱) مسئلۃ العلو والاستواء پر ہے۔پتہ چلا ہے کہ شیخ عبداللہ ناصر رحمانی اس کا عربی میں ترجمہ کر رہے ہیں واللہ اعلم، یہ ایک عظیم کتاب ہے۔

(۲) تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد وتقلید (۳) امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے (۴) اسلام میں داڑھی کا مقام (۵) رموز راشدیہ [انٹرویوز] (۶) اسلام میں عورت کا مقام (۷) حقوق العباد وغیرہ

سندھی کتب:

(۱) مقدمہ بدیع التفاسیر [م] (۲) بدیع التفاسیر [م] (۳) حجۃ الوداع [حج کے مسائل پر] (۴) تمییز الطیب من الخبیث بجواب تحفۃ الحدیث [ایک تقلیدی مولوی عبدالخالق میمن کے رسالہ تحفۃ الحدیث کے رد میں ہے جس میں انہوں نے راختلافی مسائل کے لئے احادیث اور آثار سے دلائل جمع کئے تھے اور اہل حدیث کا رد کیا تھا اس کا ایک زبردست جواب ہے] (۵) توحید ربانی (چار اجزاء میں) وغیرہ

علامہ شاہ صاحب کا اہل علم کے ہاں مقام:

شاہ صاحب کو اہل علم وعوام سب کے ہاں بڑی قدر سے دیکھا جاتا تھا۔عرب وعجم آپ کے علم، ثقاہت، فقاہت اور منہج سلیم کے معترف تھے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کے لئے کسی دلیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کے باوجود ہم یہاں پر سلفی علماء کرام کے شاہ صاحب کے متعلق اقوال اور توثیق نقل کرتے ہیں۔

شاہ صاحب نے اپنی جوانی میں ایک کتاب ''المرآة لطرق حديث من كان له إمام ''لکھی تھی اس پر اس وقت کے کبار علماء کرام اور محدثین کی تقاریظ ہیں۔ہم ان میں سے چند علماء کرام کے اقوال نقل کرتے ہیں۔مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی لکھتے ہیں:''**فأني أسرعت نظري في رياض الرسالة المسماة بالمرآة لرأس المحققين العلامة السيد بديع الدين**''

شیخ علامہ احمد الدین گکھڑوی لکھتے ہیں:''**ذكر تضعيفها وعللها بالتفصيل وحققها كا لبخاري والبيهقي بالدليل**''

ارض الیمن کے نامور محدث علامہ مقبل بن ہادی الوادعی کے ہاں ایک ہی وقت میں دو ہزار کے قریب طلبہ صحیح بخاری وغیرہ پڑ تھے۔لیکن اس کے باوجود دوران درس کہتے تھے کہ'' اگر حدیث پڑھنی ہے تو سندھ جا کر شیخ بدیع کے ہاں پڑھو'' اور خود بھی شیخ بدیع کے ہاں صحیح بخاری کے چند مواقع سمجھنے کے لئے سفر کا ارادہ رکھتے تھے لیکن بالتقدیر ایسا نہ ہوسکا اس بات کے گواہ ان کے ثقہ تلامیذ ذہنی عبدہ القیسی وغیرہ ہیں اور اس کے علاوہ شیخ مقبل کے مدرسہ کے مدیر اور استاد شیخ عوض البکاری کا خط جو کہ ہمارے ہاں محفوظ ہے۔

ماہنامہ'' الحدیث'' کے ایڈیٹر حافظ زبیر علی زئی صاحب کہتے ہیں کہ'' اگر کوئی مجھ سے رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان حلفاً پوچھے گا تو میں یہی کہوں گا کہ میں نے شیخ بدیع الدین سے بڑھ کر کوئی عالم اور فقیہ نہیں دیکھا'' (الحدیث ش۲ص۴۰) پنجاب کے نامور عالم عطاء اللہ ثاقب مترجم کتاب فتح ا شرح کتاب التوحید شیخ بدیع رحمۃ اللہ علیہ کو ان القاب سے یاد کرتے ہیں''**صاحب لوائے توحید ، ناصر السنة ، قامع البدعة ، العلامة الشيخ السيد......**''

(ہدایۃ المستفید ج اص ۸)

دکتور عبدالمحسن المنیف استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ لکھتے ہیں:

''**فضيلة الشيخ العلامة المحدث المفسر**''(خط محفوظ ہے والحمدللہ)

دکتور عاصم القریوتی استاذ جامعہ اسلامیہ لکھتے ہیں''**شيخنا العلامة**''

علامہ شمس الدین الافغانی صاحب الماتریدیہ لکھتے ہیں:

''**الشيخ الأجل الوالد العزيز المحدث البديع أبو السلفيين قاطع أعناق أهل الشرك والبدع**''

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کئی اساتذہ شاہ صاحب کے شاگرد تھے اور وہاں سے کئی طلبہ شاہ صاحب کو سند اجازۃ کے

لئے خطوط لکھتے تھے۔ایک طالب علم ابوالحسن یاسر بن البرزنجی لکھتے ہیں ''وذلك لما سمعنا من سير تكم الحسنة وسير كم على المنهج السلفي الصحيح وذلك بعد أن حدثنا عنكم علماء نا ومشائخنا حفظهم الله''

ایک اور تلمیذ اور محقق شیخ حکمت الحریری لکھتے ہیں ''والذي دفعنا لذلك هو ثقتنا لفضيلتكم وما أكرمكم الله به من علم وسعة اطلاع''

جناب محمد تنزیل الصدیقی الحسینی لکھتے ہیں کہ: ''سید بدیع الدین وسیع العلم اور الافادہ عالم دین تھے، مکہ مکرمہ جیسے بابرکت مقام پر انہیں درسِ حدیث دینے کا شرف حاصل رہا، متعدد بین الاقوامی کانفرسوں میں شریک ہوئے اور مشرق و مغرب کے کئی ممالک کے کامیاب تبلیغی دورے کئے۔سندھی زبان میں قرآن کریم کی مفصل تفسیر ''بدیع التفاسیر'' لکھی۔ تلامذہ کا ایک بہت بڑا حلقہ ان کے فیض علم سے مستفیض ہوا۔سید بدیع الدین شاہ نے تبلیغی اغراض ومقاصد کے لئے جمعیت اہلحدیث سندھ کی بنیاد رکھی، اس وقت جماعت کے سربراہ شاہ صاحب کے تلمیذ رشید مولانا عبداللہ ناصر رحمانی ہیں۔'' (اصحاب علم وفضل ص ۴۴)

ایک اور عظیم کارنامہ:

شاہ صاحب کا ایک نہایت اہم کام مکتبہ (لائبریری) کا قیام تھا جس میں ہزاروں کی تعداد میں نادر مطبوعات اور بڑی تعداد میں مخطوطات اور مسودات جمع کئے ہیں۔کتب جمع کرنے کا شوق انہیں ورثے میں ملا تھا۔شاہ صاحب نے بڑی جانفشانی اور جدوجہد کے ساتھ کتابیں جمع کی ہیں۔یوں سمجھیں کہ آپ کی زندگی کی جمع پونجی یہی المکتبۃ الراشدیہ ہے۔اب جمعیت احیاء التراث الاسلامی الکویت کے تعاون سے جناب استاذی الکریم فضیلۃ العلامۃ حافظ ثناء اللہ الزاہدی حفظہ اللہ کی نگرانی میں اس کی نئی بلڈنگ کا کام جاری ہے اللہ تعالیٰ اسے تاقیامت قائم رکھے اور جناب شاہ صاحب کے ورثاء کو اس کی حفاظت اور استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

مناصب:

شاہ صاحب رحمہ اللہ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان [1] کے کچھ وقت کے لئے امیر رہے۔جمعیت اہل حدیث سندھ کے بانی اور تاحیات امیر رہے۔سرکاری مناصب سے دور رہتے تھے۔پاکستان کے بڑے بڑے لیڈروں، حکمرانوں ،وزراء اور سیاستدانوں کے آپ سے تعلقات رہے لیکن کبھی اپنی ذات کے لئے ان سے کوئی فائدہ حاصل

---

(۱) اہل حدیث کی جتنی جماعتیں وتنظیمیں موجود ہیں ان کی حیثیت تبلیغی، اجتہادی اور اشتہاری ہے۔ان میں دخول کفر واسلام کا مسئلہ نہیں ہے ان جماعتوں کی رکنیت اور بیعت تصوف میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔سب سے بہتر اور افضل یہی ہے کہ ان تمام جماعتوں اور حزبیت (پارٹی بازی) سے علیحدہ رہ کر کتاب وسنت کی دعوت عام کی جائے اور اہلحدیث کی غیر جانبدار بھرپور خدمت کی جائے۔سلف صالحین سے ایسی کاغذی جماعتوں اور احزاب (پارٹیوں) میں شمولیت ثابت نہیں ہے۔وما علينا إلا البلاغ / [حافظ زبیر علی زئی ۲۲ شعبان ۱۴۲۶ھ]

نہیں کیا۔سب لوگوں سے آپ کے مراسم فقط ''الدین النصیحة'' کی بنیاد پر قائم تھے۔آپ نے اپنے ذاتی اثر ورسوخ سے ہمیشہ جماعت اہلحدیث کو حتی المقدور فائدہ پہنچایا۔

وفات: آفتاب علم وعمل، سرتاج اہلحدیث، قاطع الشرک والبدعة، ناصر السنة النبویة سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی تقریباً 72 برس کی عمر میں 8 جنوری 1996م بمطابق 16 شعبان 1416ھ کو وفات پاگئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون إن لله ماأخذ وله ماأعطیٰ وکل شيءٍ عنده بأجل مسمیٰ اللهم اغفرله وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزله ووسع مدخله آمین ۔آپ کو اپنے آبائی گاؤں میں اپنے والد اور بھائی علامہ سید محبّ اللہ شاہ الراشدی کی قبر کے قریب دفن کیا گیا۔رحمہم اللہ تبارک وتعالیٰ، آمین۔

[**چند فوائد:** آپ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھاتے اور لمبی قرأت کرتے تھے۔اقامت کے بعد سے اٹھنے والا آدمی ا ، وضواور غسل سے فارغ ہونے کے بعد بھی پہلی رکعت میں پہنچ جاتا تھا۔آپ انتہائی بہترین تجوید والی قرأت کرتے تھے، ایسا م ہوتا تھا کہ دریا بہہ رہا ہے۔آپ کے پیچھے نماز پڑھنے میں انتہائی سکون محسوس ہوتا تھا۔

راولپنڈی میں ایک دفعہ آپ کا تبلیغی پروگرام تھا، جب آپ نے مجھے دیکھا تو کافی دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔ یہ میری آپ سے آخری ملاقات تھی۔

پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد صاحب نے ''تذکرہ علمائے اہلحدیث'' میں آپ کا طویل تذکرہ لکھا ہے، جس میں آپ کے چودہ (۱۴) مناظروں کی تفاصیل بھی لکھی ہیں (ج ۲ ص ۱۵۶ تا ۱۲۸) مختلف اہل بدعت اور بدعقیدہ لوگوں کے خلاف آپ انتہائی کامیاب مناظر تھے۔

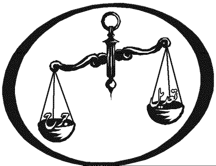
راقم الحروف نے انوار السبیل میں لکھا ہے: ''ثقة إمام متقن ، قال (شیخنا الإمام أبو السلام) محمد صديق بن عبدالعزيز (السر گودھوی) : "عالم محقق" وقال أخوه (شیخنا الإمام أبو القاسم محب الله شاه (الراشدي السندهي) : " ثقة" وسمعت (الشيخ) محمد بن هادي المدخلي المدني يقول فيه : " ما نسمع عنه إلا خيراً" وقال (الشيخ) فالح (بن نافع) الحربي : " صاحب السنة ، من أهل الحديث ونفع الله به " (أنوار السبيل فی میزان الجرح والتعدیل ص۲۶)

آپ نے اپنے دستخط کے ساتھ مجھے اجازت حدیث (منجد المستجیز) عطا فرمائی۔

أخبرني الإمام أبو محمد بديع الدين رحمه الله فيما أجا زلي عن الإمام ثناء الله أمرتسري عن السيد المحدث نذير حسين الدهلوي عن محمد إسحاق عن عبدالعزيز الدهلوي عن ولي الله الدهلوي و ثبته مطبوع باتحاف النبية فيما يحتاج إليه المحدث والفقيه، والحمدلله .

آپ کے حالات پر ایک تفصیلی مضمون کی ضرورت ہے، شاید اللہ تعالیٰ اس کا موقع میسر کردے/حافظ زبیر علی زئی]

حافظ زبیر علی زئی



قاضی أبو یوسف:

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسوله الأمین ، أما بعد:

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن حبیش ، صاحب الإمام ابی حنیفہ، ان کے بارے میں جرح وتعدیل کے اماموں کا اختلاف ہے۔معدلین (تعدیل کرنے والے) اوران کی تعدیل درج ذیل ہے۔

(۱) الإمام ابوعبدالرحمٰن ا ئی رحمہ اللہ = أبو یوسف القاضي: ثقة (الطبقات آخر کتاب الضعفاء ص ۳۱۰، الطبعة الھندیة)

(۲) ابن حبان البستی = وکان شیخاً متقناً إلخ (کتاب الثقات ۷/ ۶۴۵)

حافظ ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " لسنا ممن یوھم الرعاع ما لا یستحله ولا ممن یحیف بالقدح فی إنسان وإن کان لنا مخالفاً، بل نعطي کل شیخ حظه مما کان فیه ، ونقول في کل إنسان ما کان یستحقه من العدالة والجرح ، أدخلنا زفراً وأبا یوسف بین الثقات لما تبین عندنا من عدالتهما فی الأخبار ، وأدخلنا من لا یشبههما فی الضعفاء مما صح عندنا مما لا یجوز الإحتجاج به "

ہم (محدثین) ایسے نہیں ہیں جیسا کہ گھٹیا لوگ (ہمارے بارے میں) شبہ ڈالتے رہتے ہیں، جسے وہ (اپنے لئے بھی) حلال نہیں سمجھتے ۔ اگر چہ کوئی انسان ہمارا مخالف بھی ہو، ہم اس کے بارے میں ظالمانہ جرح کے قائل نہیں ہیں، ہم ہر انسان کے بارے میں جرح وتعدیل کے لحاظ سے وہی بات کہتے ہیں جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ہم نے زفر (بن الھذیل) اور ابو یوسف کو ثقہ راویوں میں اس لئے داخل کیا ہے کہ روایات میں ان کی عدالت (سچائی) ہمارے نزدیک ثابت ہے، اور جو لوگ (عدالت میں) ان کے مشابہ نہیں ہیں ہم نے انہیں اُن راویوں میں شامل کیا ہے جن سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ (کتاب الثقات ج ۷ ص ۶۴۶)

م ہوا کہ امام ابن حبان اور محدثین کرام بحیثیت مجموعی میزانِ عدل اور انصاف پر گامزن تھے۔ بعض مستثنیات اور اخطاء کی وجہ سے محدثین کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دینا بقول ابن حبان رحمہ اللہ گھٹیا لوگوں کا کام ہے۔

زکریا کاندھلوی دیوبندی تبلیغی لکھتے ہیں: " ان محدثین کا ظلم سنو! " (تقریر بخاری ج ۳ ص ۱۰۴)!

تنبیہ: حافظ ابن حبان کی توثیق تین حالتوں میں رد ہو جاتی ہے۔

اول: جمہور کے خلاف ہو۔

دوم: مجہول اور مستور راویوں کی توثیق میں تفرد ہو۔

سوم: جرح و تعدیل باہم متعارض ہو۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ۲/۵۵۲ ت ۴۸۲۹)

(۳) محمد بن ا ح الجرجانی = فکان أبو یوسف رجلاً صالحاً و کان یسرد الصوم ابویوسف نیک آدمی تھے اور مسلسل روزے رکھتے تھے۔ (کتاب الثقات لابن حبان ۷/۶۴۶، ۶۴۷ وسندہ حسن)

اس روایت میں ابن حبان کا استاد عبداللہ بن محمد بن قحطبہ بن مرزوق ہے جس سے حافظ ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں تقریباً ساٹھ روایتیں بیان کی ہیں۔ ابوالشیخ الاصبہانی بھی اس سے روایت کرتے ہیں (کتاب الأمثال: ۲۹۸)

یہ راوی ابن حبان کے استادوں میں سے ہے، ابن قحطبہ کی توثیق ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں ان سے روایتیں لے کر کردی ہے اور یہ توثیق کا درجہ ثانیہ ہے دیکھئے التنکیل للیمانی رحمہ اللہ (ج ۱ ص ۴۳۷ ترجمۃ محمد بن حبان) لہذا یہ راوی حسن الحدیث علی الاقل ہے۔

(۴) عمرو بن محمد بن بکیر الناقد = لاأری أن أروي عن أحد من أصحاب الرأي إلا أبو یوسف فإنه کان صاحب سنة (الکامل لابن عدي، طبعۃ جدیدۃ ۸/۴۶۶ وا له وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ۱۴/۲۵۳ ت ۷۵۵۸ وسندہ صحیح)

(۵) یحییٰ بن معین = أبو یوسف القاضي لم یکن یعرف الحدیث وهو ثقة (تاریخ بغداد ۱۴/۲۵۹ وسندہ صحیح)

لم یکن یعرف بالحدیث (تاریخ بغداد ۱۴/۲۵۹ وسندہ حسن، الضعفاء للعقیلی ۴/۴۳۸، ۴۳۹ وسندہ حسن)

أنبل من أن یکذب (تاریخ بغداد ۱۴/۲۵۹ وسندہ صحیح) کتبت عن أبي یوسف وأنا أحدث عنه (تاریخ بغداد ۱۴/۲۵۹ وسندہ صحیح) لیس في أصحاب الرأي أحد أکثر حدیثاً و لا أثبت من أبي یوسف (الکامل ۸/۴۶۶ وسندہ صحیح) نیز دیکھئے جارحین اور ان کی جرح: ا

(۶) ابن عدی الجرجانی = وإذا روی عنه ثقة و یروي هو عن ثقة فلا بأس به وبروایاته (الکامل ۸/۴۶۸)

o أحمد بن کامل القاضی = ولم یختلف یحیی بن معین وأحمد بن حنبل وعلي بن المدیني في ثقته في النقل (أخبار أبي حنیفة وأصحابه للحسین بن علي الصیمری ص ۹۰ و تاریخ بغداد ۱۴/۲۴۳)

احمد بن کامل القاضی بذاتِ خود ہے، کسی قابلِ اعتماد محدث سے اس کی معتبر توثیق ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے الحدیث: ۲ ص ۲۵ وسوالات السہمی (۱۷۶)

o بن محمد بن جعفر = وأبو یوسف مشهور الأمر ظاهر الفضل وهو صاحب أبي حنیفة و أفقه أهل عصره، ولم یتقدمه أحد في زمانه و کان النهایة في العلم والحکم والریاسة والقدر وأول من

وضع الكتب في أصول الفقه على مذهب أبي حنيفة و أملى المسائل ونشرها وبث علم أبي حنيفة فى أقطار الأرض " (تاریخ بغداد ۱۴/ ۲۴۵، ۲۴۶)

بن محمد بن جعفر الشاہد بذاتِ خود جمہور محدثین کے نزدیک ہے، ازہری نے کہا: ضعيف فى روايته و فى مذهبه ، دیکھئے تاریخ بغداد (۹/ ۳۵۱ ت ۴۹۰۸) یہ شخص پکا معتزلی بلکہ اعتزال کی طرف دعوت دینے والا تھا دیکھئے لسان المیزان (۳/ ۲۱۲) ومیزان الاعتدال (۲/ ۳۴۲)

لہذا ذہبی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا " صحیح السماع" ہونا چنداں مفید نہیں ہے بلکہ یہ شخص قولِ راجح میں مردود الروایہ ہے محمد بن ابی الفوارس، حسن بن محمد الخلال اور الازہری کی جرح کے بعد حافظ ذہبی کی تعدیل خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔

o أبو إبراہیم إسماعیل بن یحییٰ بن إسماعیل بن عمرو بن المزنی ="عن جعفر بن يٰس قال: كنت عند المزني ، فوقف عليه رجل فسأله عن أهل العراق فقال له : ما تقول فى أبي حنيفة؟ فقال: سيدهم، قال: فأبو يوسف ؟ قال: أتبعهم للحديث ، قال: فمحمد بن الحسن ؟ قال: أكثرهم تفريعاً ، قال: فزفر ؟ قال: أحدهم قياساً" (تاریخ بغداد ۱۴/ ۲۴۶، وسندہ)

اس روایت کے راوی جعفر بن یاسین کے حالات نا م ہیں۔ اس کا شاگرد محمد بن ابراہیم بن حبیش البغوی غیر موثق ہے، اس کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: لم يكن بالقوي (المؤتلف والمختلف ۲/ ۶۸۹) یہی جرح امیر ابونصر بن ماکولا نے اس راوی پر کی ہے۔ (الاکمال ۲/ ۳۳۴) یعنی یہ قول امام مزنی صاحب الشافعی سے ثابت ہی نہیں ہے۔

o علی بن عبداللہ بن جعفر المدینی =قدم أبو يوسف ......و كان صدوقاً إلخ

(تاریخ بغداد ۱۴/ ۲۵۵ وسندہ)

اس کا راوی عبداللہ بن علی بن عبداللہ المدینی غیر موثق ومجہول الحال ہے، اس کا ذکر تاریخ بغداد (۱۰/ ۹، ۱۰ ت ۵۱۱۹) وسوالات حمزۃ السہمی (۳۲۳) میں بغیر کسی جرح وتوثیق کے موجود ہے۔ امام دارقطنی کا ایک قول اس راوی کے ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے (دیکھئے سوالات حمزہ السہمی: ۳۸۷ ونصب العماد فی تحقیق: الحسن بن زیاد ص ۳)

o وکیع بن الجراح =" كيف يقدر أبو حنيفة يخطئ ومعه مثل أبي يوسف وزفر فى قياسهما ومثال يحيى بن أبي زائدة وحفص بن غياث و حبان و مندل فى حفظهم الحديث والقاسم بن معن فى معرفته باللغة والعربية وداود الطائي وفضيل بن عياض فى زهدهما وورعهما؟ من كان هؤلاء جلساءه لم يكد يخطئ لأنه إن أخطأ ردوه " (تاریخ بغداد ۱۴/ ۲۴۷ وسندہ)

اس کا راوی نجیح بن ابراہیم ہے غالباً یہ وہی راوی ہے جسے ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کر کے لکھا:" يغرب "وہ غریب روایتیں بیان کرتا ہے (۹/ ۲۲۰ ولسان المیزان ۶/ ۱۴۹) صحیح ابن حبان میں اس کی کوئی روایت نہیں ہے۔ مسلمہ

بن قاسم(مشبہہ) نے کہا: وھو ضعیف (لسان ۶/۴۹ او نسخہ محققہ ۷/۱۷۱)

خلاصہ یہ کہ یہ راوی (نجیح بن ابرہیم) مجہول الحال ہے۔ ابن کرامہ سے مراد اگر محمد بن ن بن کرامہ نہیں تو م نہیں کہ یہ کون ہے؟

تنبیہ بلیغ: اگر یہ قول امام وکیع رحمہ اللہ سے ثابت تسلیم کرلیا جائے تو پھر ان کے دوسرے اقوال کی وجہ سے یہ منسوخ ہے۔ امام وکیع نے فرمایا: "نا أبو حنیفة أنه سمع عطاء ، إن کان سمعه " ہمیں ابوحنیفہ نے بتایا کہ اس نے عطاء سے سنا ہے، اگر اس نے سنا ہے تو! (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۸/۴۴۹ وسندہ صحیح، العلل الکبیر للترمذی ۲/۹۶۶ وسندہ صحیح، الأسانید الصحیحۃ فی أخبار الإمام أبی حنیفۃ ص ۲۹۳)

امام وکیع نے فرمایا: "ولقد اجترأ أبو حنیفة حین قال : الإیمان قول بلا عمل " اور یقیناً ابوحنیفہ نے بڑی جرأت کی جب یہ کہا کہ ایمان قول ہے عمل نہیں ہے۔ (الانتقاء لابن عبدالبر ص ۱۳۸ وسندہ صحیح)

امام وکیع نے فرمایا: " وجدنا أبا حنیفة خالف مائتي حدیث " ہم نے ابوحنیفہ کو دوسو حدیثوں کا مخالف پایا۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۴۰۷ وسندہ صحیح، ومن طریقہ رواہ ابن الجوزی فی المنتظم ۸/۱۴۳ مختصراً، ورواہ الساجی فی العلل کما فی الانتقاء ص ۱۵۱) نیز دیکھئے اقوال جرح (۹)

ان اقوال سے ظاہر ہے کہ نجیح بن ابراہیم کا بیان کردہ قول۔ اگر صحیح ثابت ہوجائے تو منسوخ ہے۔

o شعیب بن اسحاق بن عبدالرحمٰن الدمشقی = "لأبي یوسف أن یأخذ علی الأئمة ولیس علی الأئمة أن یأخذوا علی أبي یوسف لعلمه بالآثار" (الکامل لابن عدی ۸/۴۶۶ وسندہ)

اس سند کا ایک راوی ہشام بن عمار ثقہ اور صحیح بخاری کا راوی ہے لیکن اسے آخری عمر میں اختلاط ہوگیا تھا، ابوحاتم الرازی نے کہا: " لما کبر تغیر وکلما دفع إلیه قرأه وکلما لقن تلقن وکان قدیماً أصح ، کان یقرأ من کتابه " (الجرح والتعدیل ۹/۶۶، ۶۷) صحیح بخاری میں اور اختلاط سے پہلے اس کی ساری روایتیں صحیح ہیں لیکن جعفر بن احمد بن عاصم (اس روایت کے راوی) کے بارے میں کوئی حوالہ ایسا نہیں ملا کہ اس کا سماع ہشام بن عمار سے قبل از اختلاط ہے لہذا یہ سند ہشام بن عمار کے اختلاط کی وجہ سے ہے۔

(۷) ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی = وأبو یوسف ثقة إذا کان یروي عن ثقة (السنن الکبریٰ ۱/۳۴۷ ومعرفۃ السنن والآثار ۱/۳۸۱)

(۸) ابوعبداللہ الحاکم = وثقه فی المستدرک (۱/۷۷ ح ۱۳۹۵)

(۹) الذہبی = حسن الحدیث (تلخیص المستدرک ۱/۷۷)

(۱۰) محمد بن جریر الطبری = " کان أبو یوسف ......فقیهاً عالماً حافظاً " (الانتقاء لابن عبدالبر ص ۱۷۲، اس میں

ابن عبدالبر کا استاد احمد بن محمد بن احمد؟ غیر متعین ہے واللہ اعلم)

تنبیہ: امام دارقطنی کے قول کا ذکر آگے اقوالِ جرح میں آ رہا ہے، ان شاء اللہ العزیز۔ ان اقوالِ تعدیل کے علاوہ کوئی صحیح السند یا حسن قول میرے علم میں نہیں ہے جس سے قاضی ابو یوسف کی تعدیل وتعریف ثابت ہوئی ہو۔ واللہ اعلم

یہاں بطورِ احتیاط چند سطریں خالی چھوڑ رہا ہوں تا کہ اگر کسی شخص کو محدثین کرام سے باسند صحیح وحسن قاضی ابو یوسف کی تعدیل وتوثیق مل جائے تو وہ یہاں اضافہ کرلے۔

....

....

....

☆ اب جارحین اور ان کی جرح درج ذیل ہے۔

(۱) یحییٰ بن معین = **لا یکتب حدیثه** ، اس (ابو یوسف) کی حدیث نہ لکھی جائے (الکامل لابن عدی ۸/۲۶۶۶ وسندہ صحیح وتاریخ بغداد ۱۴/۲۵۸ علان ھو علی بن احمد بن سلیمان ، ترجمتہ فی سیر أعلام النبلاء ۱۴/۴۹۶ وقول ابن یونس: " وفی خلقه زعارة " لا علاقة له بالحدیث فهو مردود)

اس قول سے م ہوا کہ یحیی بن معین سے توثیق والی روایات منسوخ ہیں۔ واللہ اعلم

(۲) عبداللہ بن المبارک المروزی = قال: **" إني لأكره أن أجلس في مجلس يذكر فيه يعقوب "** کہا: میں ایسی مجلس میں بیٹھنا مکروہ سمجھتا ہوں جس مجلس میں یعقوب (ابو یوسف) کا (اچھا) ذکر کیا جائے (کتاب المعرفة والتاریخ للإمام یعقوب بن سفیان الفارسی ج ۲ ص ۷۸۹ وسندہ صحیح)

ایک آدمی نے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اسے مسئلہ بتایا، وہ آدمی بولا: ابو یوسف اس مسئلے میں آپ کے مخالف ہیں تو ابن المبارک نے فرمایا: **" إن كنت صليت خلف أبي يوسف فانظر صلاتك "** اگر تم نے ابو یوسف کے پیچھے نماز پڑھی ہے تو اپنی نماز دیکھو، یعنی اس کا اعادہ کرلو (کتاب الضعفاء للعقیلی ۴/۴۴۱ وسندہ صحیح ، الھیثم بن خلف ثقة وجرح الإسماعیلی فیہ مردود) عبدہ بن سلیمان المروزی کہتے ہیں کہ میں نے ہمیشہ یہ دیکھا کہ ابن المبارک جب ابو یوسف کا ذکر کرتے تو اس کی دھجیاں اڑا دیتے (یعنی شدید جرح کرتے) اور ایک دن آپ نے اس (ابو یوسف) کے بارے میں فرمایا: ان لوگوں میں سے کسی نے اپنے باپ کی جماع شدہ لونڈی (یعنی سوتیلی ماں) سے عشق کیا پھر اس نے ابو یوسف سے مسئلہ پوچھا تو اس نے کہا: اس لونڈی کو سچا نہ سمجھو (یعنی اس سے نکاح کرلو) پس وہ آدمی ابو یوسف کے لئے حصے مقرر کرنے لگا یا ابن المبارک اس (ابو یوسف) پر شدید جرح کرنے لگے (الضعفاء للعقیلی ۴/۴۴۴ وسندہ حسن)

(۳) عبداللہ بن ادریس الکوفی ="کان ......وأبو یوسف فاسقاً من الفاسقین "اورابو یوسف فاسقوں میں سے ایک فاسق تھا۔ (الضعفاء للعقیلی ۴/ ۴۴۰ وسندہ صحیح)

عبداللہ بن ادریس فرماتے ہیں کہ: " رأیت أبا یوسف والذي ذهب بنفسه بعد موته فی المنام یصلي علی غیر القبلة وسمعت وکیعاً وسأله رجل عن مسألة فقال الرجل: إن أبا یوسف یقول " کذا وکذا، فحرک رأسه وقال: أما تتقی الله ، بأي یوسف تحتج عندالله "

میں نے ابو یوسف کو اس کے مرنے کے بعد،خواب میں دیکھا وہ قبلہ کے بغیر دوسری طرف نماز پڑھ رہا تھا،اور (یحیی بن محمد بن سابق نے کہا) میں نے ایک آدمی کو وکیع سے مسئلہ پوچھتے ہوئے سنا تو اس آدمی نے کہا: ابو یوسف تو یہ یہ بات کہتے ہیں !وکیع نے (غصے سے) سر ہلاتے ہوئے کہا: کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟ کیا تو اللہ کے سامنے ابو یوسف سے حجت پکڑے گا؟ (الضعفاء للعقیلی ۴/ ۴۴۲ وسندہ صحیح،یحیی بن محمد بن سابق روی عنہ جماعۃ وقال الذهبي فی الکاشف: ثقۃ)

(۴) یزید بن ہارون =" لا یحل الروایة عنه ، إنه کان یعطی أموال الیتامی مضاربة ویجعل الربح لنفسه "اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے، یہ (ابو یوسف) یتیموں کے مال بطورِ مضاربت (تجارت میں) لگا تا اور اس کا نفع خود کھا جاتا تھا۔ (الضعفاء للعقیلی ۴/ ۴۴۰ وسندہ صحیح،تاریخ بغداد ۱۴/ ۲۵۸ وسندہ صحیح)

(۵) مالک بن انس المدنی = ایک دفعہ مالک بن انس مدینہ میں امیر المؤمنین ہارون (الرشید) کے پاس گئے، وہاں ابو یوسف بھی تھے۔اس (خلیفہ) نے دو دفعہ کہا: اے ابو عبداللہ (مالک بن انس)! یہ قاضی ابو یوسف ہیں۔(امام مالک نے فرمایا) میں نے کہا: جی ہاں اے امیر المؤمنین !اور میں نے (قاضی) ابو یوسف کی طرف دیکھا تک نہیں۔اس نے دو یا تین دفعہ کہا۔ابو یوسف بولا: اے ابو عبداللہ! اس مسئلے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو میں نے کہا: اے فلان! اگر تو نے مجھے دیکھا کہ میں باطل لوگوں کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہوں تو وہاں آ کر مجھ سے (مسئلے) پوچھنا (الضعفاء للعقیلی ۴/ ۴۴۱ وسندہ صحیح ،عبداللہ بن احمد بن شبویہ، مستقیم الحدیث/ الثقات لابن حبان ۸/ ۳۶۶ ولہ ترجمۃ فی تاریخ بغداد ۹/ ۳۷۱ وغیرہ) م ہوا کہ امام مالک کے نزدیک قاضی ابو یوسف اہلِ باطل میں سے تھے۔واللہ اعلم

(۶) سفیان الثوری الکوفی =عبیداللہ بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری کے سامنے ابو یوسف اور (......) کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: " ومن هؤلاء ثم وماهؤلاء " اور یہ لوگ کون ہیں؟ اور یہ لوگ کیا ہیں؟ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/ ۷۹۱ وسندہ صحیح)

(۷) سفیان بن المکی =سفیان بن ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ابو یوسف ایک مدت تک مجھ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھتا رہا لیکن میں اسے اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا کہ اسے حدیث سنائی جائے۔ایک دن ہم (امیر المؤمنین) ہارون (الرشید) کے پاس تھے، ابو یوسف نے اس سے کہا: اس کے پاس ایک اچھی (حسن)

حدیث ہے، آپ اس سے پوچھیں۔ پس خلیفہ نے پوچھا تو میں نے اسے حدیث سنا دی، پس اس حدیث کو ابو یوسف نے چُرا لیا۔ (الضعفاء للعقیلی ۴/۴۴۳ وسندہ صحیح)

(۸) ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری = ترکوہ یعنی محدثین نے اسے ترک کر دیا ہے۔ (التاریخ الکبیر ۸/۳۹۷) ترکه یحیی و عبدالرحمن و وکیع وغیرهم (الضعفاء الصغیر: ۴۲۵ وتحفۃ الأقویاء ص ۱۲۲)

(۹) وکیع بن الجراح = دیکھئے جرح عبداللہ بن ادریس (۳)

(۱۰) ابو زرعۃ الرازی = ذکره فی کتابه (کتاب الضعفاء: ۳۷۶ ص ۶۷۲ ج ۲) وقال: " یعقوب بن إبراهیم أبو یوسف الذي كان على القضاء یعني صاحب أبي حنیفة "

تنبیہ: ابو زرعہ نے کہا: وکان ابو یوسف جهمیاً بین التجهم (النصف الآخر من کتاب الضعفاء والکذابین والمتروکین من رواۃ الحدیث ۲/۵۷۰) جبکہ تاریخ بغداد میں ہے کہ ابو زرعہ نے کہا: " وکان أبو یوسف سلیماً من التجهم " (۲/۲۵۹ ت ۵۹۳ وسندہ صحیح) یہ دونوں اقوال باہم متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گئے ہیں۔ واللہ اعلم

(۱۱) ابو حاتم الرازي = یکتب حدیثه وهو أحب إلي من الحسن اللؤلؤي (الجرح والتعدیل ۹/۲۰۲)

ابن ابی حاتم کے نزدیک جو شخص صرف " یکتب من حدیثه "ہووہ" لا یحتج بحدیثه فی الحلال والحرام " ہوتا ہے دیکھئے تقدمۃ الجرح والتعدیل (۱/۷) یعنی اس کی حدیث حجت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس حافظ ذہبی فرماتے ہیں: " وقال أبو حاتم : یکتب حدیثه مع أن قول أبي حاتم هذا لیس بصیغة توثیق ولا هو بصیغة اهدار " ابو حاتم نے کہا: اس کی حدیث لکھی جاتی ہے، ابو حاتم کا یہ قول نہ تو صیغہ توثیق ہے اور نہ صیغہ ابطال (یعنی شدید جرح) دیکھئے میزان الاعتدال (۴/۳۴۵ ترجمۃ الولید بن المزنی)

حافظ ابن عدی فرماتے ہیں: " وقول یحیی بن معین : یکتب حدیثه ، معناه أنه فی جملة الضعفاء الذین یکتب حدیثهم " اور یحییٰ بن معین کے قول: یکتب حدیثه کا مطلب یہ ہے کہ یہ راوی ان راویوں میں شامل ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ (الکامل ۱/۳۹۴ ترجمۃ ابراہیم بن ہارون الصنعانی) یعنی تو ہے اور متروک نہیں ہے۔ یاد رہے کہ اگر "یکتب حدیثه" سے پہلے یا بعد توثیق لکھی ہوئی ہو تو وہ مستثنیٰ ہے یعنی وہاں توثیق سمجھی جائے گی۔

(۱۲) احمد بن حنبل = صدوق ولکن من أصحاب أبي حنیفة لاینبغي أن یروی عنه شيٌ (الجرح والتعدیل ۹/۲۰۱ وسندہ صحیح) وأنا لا أحدث عنه (تاریخ بغداد ۱۴/۲۵۹ وسندہ صحیح)

تنبیہ: امام احمد کا ایک قول ہے: " وکان منصفاً فی الحدیث " اور وہ (ابو یوسف) حدیث میں منصف (درمیانہ) تھا۔ (تاریخ بغداد ۱۴/۲۶۰ وسندہ صحیح) یعنی وہ روایت حدیث میں آدھے راستے پر تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ " وکان یعقوب أبو یوسف متصفاً فی الحدیث " (تاریخ بغداد ۲/۱۷۹ وسندہ صحیح) حافظ ابن حجر نے اسے

" كان أبو يوسف مضعفاً في الحديث " کے الفاظ سے نقل کیا ہے (لسان المیزان ۱۲۲/۵ والحدیث حضرو: شمارہ ۷ص ۱۵)

یہ متعارض ومختلف اقوال" لا أحدث عنه" اور " لاينبغي أن يروى عنه شيءٌ " کی رو سے منسوخ وساقط الاحتجاج ہیں۔ واللہ اعلم

(۱۳) شریک بن عبداللہ القاضی = یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ ابو یوسف نے شریک کے سامنے گواہی دی تو انہوں نے اسے مردود قرار دیا۔ میں نے کہا: آپ نے ابو یوسف کی گواہی کو رد کر دیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: جو شخص نماز کو ایمان میں سے نہ سمجھے کیا میں اس کی گواہی رد نہ کروں؟ (الضعفاء للعقیلی ۴۴۱/۴ وسندہ صحیح)

م ہوا کہ قاضی شریک الکوفی کے نزدیک قاضی ابو یوسف مردود الشہادت یعنی ساقط العدالت تھے۔ علی بن حجر کہتے ہیں کہ ایک دن ہم شریک کے پاس تھے تو انہوں نے فرمایا: " من ذكر هاهنا من أصحاب يعقوب فأخرجوه " (الضعفاء للعقیلی ۴۴۲/۴ وسندہ صحیح) یعنی اگر قاضی ابو یوسف کے ساتھیوں میں سے کوئی یہاں موجود ہے تو اسے باہر نکال دو۔

قاضی شریک مختلف فیہ راوی ہیں جمہور نے ان کی توثیق کی ہے اگر وہ سماع کی تصریح کریں اور اختلاط سے پہلے والی روایت ہو تو حسن الحدیث ہیں، دیکھئے میری کتاب "الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین " (۲/۵۶، وھو من المرتبۃ الثالثۃ فی القول الراجح)

(۱۴) ابو عمرو بن علی الفلاس = أبو يوسف صدوق كثير الغلط (تاریخ بغداد ۲۶۰/۱۴ وسندہ صحیح)

(۱۵) ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی = آپ نے قاضی ابو یوسف کے بارے میں فرمایا:" أعور بين عميان "اندھوں میں کانا (تاریخ بغداد ۲۶۰/۱۴ وسندہ صحیح) هو أقوى من محمد بن الحسن (سوالات البرقانی: ۵۶۷) یعنی محمد بن الحسن کی بہ نسبت قاضی ابو یوسف زیادہ قوی ہے۔

تنبیہ: دارقطنی کے قول "اندھوں میں کانا" سے م ہوا کہ محمد بن الحسن الشیبانی ان کے نزدیک اندھا تھا، نیز دیکھئے الحدیث: شمارہ ۷ص ۱۹، ۱۶

(۱۶) ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی = أسد بن عمرو و أبو يوسف و محمد بن الحسن واللؤلوي قد فرغ الله منهم (أحوال الرجال ص ۷۶، ۷۷ ت ۹۶ تا ۹۹)

(۱۷) سعید بن منصور = سعید بن منصور فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے ابو یوسف سے کہا: ایک آدمی نے مسجد عرفہ (عرنہ والے حصے) میں امام کے ساتھ نماز پڑھی، پھر امام کے (مزدلفہ کی طرف) واپس ہونے تک وہیں رکا رہا، اس کا کیا مسئلہ ہے؟ ابو یوسف نے کہا: کوئی حرج نہیں ہے۔ تو اس آدمی نے (تعجب سے) کہا: سبحان اللہ! ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو شخص عرنہ سے واپس لوٹ آئے تو اس کا حج نہیں ہوتا، مسجد عرفہ تو وادی عرنہ کے درمیان ہے (اب جدید توسیع

کے بعد عرفات کا کچھ حصہ بھی اس مسجد میں شامل کر دیا گیا ہے) ابو یوسف نے کہا: علامتیں (احکام) آپ جانتے ہیں اور فقہ ہم جانتے ہیں۔ وہ آدمی بولا: جب آپ اصل ہی نہیں جانتے تو فقیہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟
(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۷۹۰/۲ وسندہ صحیح، وتاریخ بغداد (۲۵۶/۱۴ وسندہ صحیح)

(۱۸) ابو جعفر العقیلی = آپ نے قاضی ابو یوسف کو کتاب الضعفاء میں ذکر کر کے جروح نقل کی ہیں۔ دیکھئے ج ۴ ص ۴۳۸ تا ۴۴۴

(۱۸) محمد بن سعد = "و کان یعرف بالحفظ للحدیث......ثم لزم أبا حنیفة النعمان بن ثابت فتفقه و غلب علیه الرأي وجفا الحدیث " وہ حفظ حدیث کے ساتھ معروف تھا...... پھر اس نے ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی شاگردی کی تو فقہ سیکھی اور اس پر رائے غالب آ گئی اور اس نے حدیث کے ساتھ ظلم کیا۔ (طبقات ابن سعد ۳۳۰/۷)

(۲۰) الذہبی (!) = ذکره فی دیوان الضعفاء والمتروکین (۴۶۶/۲ ت ۴۷۶۶)
تنبیہ: ذہبی نے دیوان الضعفاء میں ابو یوسف کا کوئی دفاع نہیں کیا۔ جبکہ تلخیص المستدرک میں اسے "حسن الحدیث" کہا ہے۔ یہ دونوں تحقیقات باہم متعارض ہو کر ساقط ہو گئیں۔

قاضی ابو یوسف پر امام ابو حنیفہ کی جرح

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ نے قاضی ابو یوسف سے کہا: " إنكم تكتبون فی كتابنا ما لا نقوله " تم ہماری کتاب میں وہ باتیں لکھتے ہو جو ہم نہیں کہتے۔ (الجرح والتعدیل ۲۰۱/۹ وسندہ صحیح)

ایک روایت میں آیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: " ألا تعجبون من یعقوب ، یقول عليّ مالا أقول " کیا تم یعقوب (ابو یوسف) پر تعجب نہیں کرتے ، وہ میرے بارے میں ایسی باتیں کہتا ہے جو میں نہیں کہتا۔ (التاریخ الصغیر / الأوسط للبخاری ۲۰۹/۲، ۲۱۰ وسندہ حسن)

م ہوا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنے شاگرد قاضی ابو یوسف کو کذاب سمجھتے تھے۔

امام بن الحجاج النیسابوری، صاحب الصحیح فرماتے ہیں : " أبو یوسف یعقوب بن إبراهیم من أهل الرأي ، القاضي سمع الشیباني " (کتاب الکنی والأسماء قلمی ص ۱۲۲)

خلاصۃ التحقیق: اس تمام تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قاضی ابو یوسف روایتِ حدیث میں ہیں کیونکہ جمہور محدثین نے انہیں و مجروح قرار دیا ہے۔

قاضی ابو یوسف سے منسوب کتابیں

قاضی ابو یوسف سے درج ذیل کتابیں منسوب ہیں:

(۱) کتاب الآ ثار مطبوع دارا العلمیۃ بیروت ، لبنان (بتعلیق ابی الوفاء الأ فغاني -أحد الضعفاء والمتر وکین فی القرن الرابع عشر الھجر ي)

یہ کتاب " يوسف بن أبي يوسف عن أبيه " کی سند سے مطبوع ہے دیکھئے (ص ۱)

یوسف بن ابی یوسف الفقیہ کا ذکر بغیر کسی جرح وتعدیل کے درج ذیل کتابوں میں موجود ہے۔

تاریخ بغداد (۲۹۶/۱۴ ت ۷۶۰۷) طبقات ابن سعد (۳۳۷/۷) الجرح والتعدیل (۲۳۴/۹) تاریخ الاسلام للذہبی (۴۸۸/۱۳) الجواہر المضیۃ لعبد القادر القرشی (۲۳۴/۲، ۲۳۵)

لہذا یہ شخص مجہول الحال ہے۔ قاضی محمد بن خلف بن حیان سے منسوب کتاب " أخبار القضاۃ " میں لکھا ہوا ہے کہ:

" أخبرني إبراهيم بن عثمان قال: حدثني عبدالله بن عبدالكريم أبو عبدالله الحواري قال: كان يوسف بن أبى يوسف عفيفاً مأموناً صدوقاً...... " إلخ (ج ۳ ص ۲۵۶، ۲۵۷)

ابراہیم بن (ابی) ن اور عبداللہ بن عبدالکریم دونوں بلحاظ جرح وتعدیل نا م ہیں۔ لہذا یہ توثیق مردود ہے۔

کتاب الآ ثار کے مطبوعہ نسخے میں یوسف بن ابی یوسف سے نیچے سند غائب ہے۔

نتیجہ: قاضی ابو یوسف سے باسند صحیح کتاب الآ ثار ثابت ہی نہیں ہے۔ قاضی ابو یوسف سے ایک اور غیر ثابت سند منسوب ہے جس کے لئے خوارزمی (غیر موثق) نے ایک سند فٹ کر رکھی ہے۔ دیکھئے جامع المسانید (۷۵/۱) اس میں ابو عروبہ سے منسوب دادا عمرو بن ابی عمرو نا م ہے، اور باقی سند میں بھی نظر ہے۔

(۲) کتاب الرد علی سیر الاوزاعی (مطبوع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی لأ صحابہا الدیوبندیین المتر وکین، وبتعلیق ابی الوفاء!!)

اس کتاب کی کوئی سند مذکور نہیں ہے۔ ہندوستان سے اس کا ایک بے سند مجہول نسخہ لے کر شائع کر دیا گیا ہے۔ (دیکھئے الرد علی سیر الاوزاعی ص ۴ قال: **نادر جداً لا يوجد له فيما نعلم إلا نسخة واحدةقا فى الهند**)

نتیجہ: یہ کتاب قاضی ابو یوسف سے ثابت نہیں ہے۔

(۳) کتاب الخراج (مطبوع المطبعۃ السّلفیہ ومکتبتھا، القاہرہ، مصر طبع پنجم، ۱۳۹۶ھ)

اس کتاب کی بھی کوئی سند مذکور نہیں ہے۔ تاہم یہ قاضی ابو یوسف سے منسوب ر کتاب ہے۔ واللہ اعلم

قاضی ابو یوسف کے بعض اقوال

اب آخر میں قاضی ابو یوسف کے بعض اقوال پیشِ خدمت ہیں۔

۱: قاضی ابو یوسف نے کہا: **" أول من قال: القرآن مخلوق أبو حنيفة –يريد بالكوفة "**

کوفہ میں، سب سے پہلے ابوحنیفہ نے قرآن کو مخلوق کہا (المجروحین لابن حبان ۳/۶۴، ۶۵ وسندہ حسن، السنۃ لعبداللہ بن أحمد: ۲۳۶، وتاریخ بغداد ۱۳/۳۸۵)

۲: قاضی ابویوسف نے کہا: " **كان أبو حنيفة يرى السيف** " ابوحنیفہ (مسلمانوں میں ایک دوسرے کو مارنے کے لئے) تلوار چلانے کے قائل تھے۔ (یعنی حکمرانوں کے خلاف خروج و بغاوت کو جائز سمجھتے تھے) حسن بن موسیٰ الاشیب نے کہا کہ میں نے ابویوسف سے پوچھا: کیا آپ بھی اس کے قائل ہیں؟ انہوں نے کہا: معاذ اللہ۔ (کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۲۳۴ وسندہ صحیح)

۳: قاضی ابویوسف نے کہا: " **بخراسان صنفان ما على ظهر الأرض أشر منهما : الجهمية والمقاتلية** " خراسان میں دو گروہ ایسے ہیں جن سے زیادہ شریر کوئی گروہ روئے زمین پر نہیں ہے: جہمیہ (جہم بن صفوان کے پیروکار) اور مقاتلیہ (مقاتل بن سلیمان کذاب کے پیروکار) (کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۱۴ وسندہ صحیح، أخبار القضاۃ المنسوب إلی محمد بن خلف بن حیان ۳/۲۵۸ وسندہ صحیح)

۴: قاضی ابویوسف نے کہا: " **من طلب العلم بالكلام تزندق و من طلب المال بالكيميا ء افتقر ومن طلب الحديث بالغرائب كذب** " جو شخص علم کلام کے ذریعے (دین کا) علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ زندیق (کافر) ہو جاتا ہے اور جو شخص علمِ (سونا بنانے کا علم) کے ذریعے مال کمانا چاہتا ہے وہ فقیر ہو جاتا ہے اور جو شخص غریب احادیث (جمع کرنے) کی طلب رکھتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے۔ (أخبار القضاۃ ج ۳ ص ۲۵۸ وسندہ صحیح)

۵: قاضی ابویوسف نے کہا: " **يا قوم أريدوا بفعلكم الله ، فإني لم أجلس مجلساً قط أنوي فيه أن أتواضع إلا لم أقم حتى أعلوهم ولم أجلس مجلساً قط أنوي فيه أن أعلوهم إلا لم أقم حتى افتضح** " اے قوم! اپنے افعال سے اللہ کی رضامندی طلب کرو، پس بے شک میں جس مجلس میں تواضع (عاجزی) کی نیت سے بیٹھا ہوں تو میں سب پر غالب آیا ہوں اور میں جس مجلس میں بلند ہونے کی نیت کے ساتھ بیٹھا ہوں تو مجھے ذلیل ہونا پڑا ہے۔ (أخبار القضاۃ ۳/۲۵۸ وسندہ صحیح)

آخر میں قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ عدل وانصاف کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، غیر جانب دار تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قاضی ابو یوسف روایتِ حدیث میں جمہور محدثین کے نزدیک ہیں لہذا ان کی روایت و گواہی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ جن ودیوبندی و بریلوی حضرات کو اس تحقیق سے اختلاف ہے وہ "الحدیث حضرو" کے منہجِ تحقیق کو مدِ نظر رکھ کر اس کا جواب لکھ سکتے ہیں۔ "الحدیث" کے صفحات جوابی تحقیق کے لئے حاضر ہیں بشرطیکہ ہر دلیل باحوالہ اور باسند صحیح وحسن لذاتہ ہو۔ یاد رہے کہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی (الحدیث: ۷ ص ۱۱ تا ۲۰) والی تحقیق کا ابھی تک کسی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۸ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ)

ابوالعباس حافظ شیر محمد

عشرہ مبشرہ سے محبت

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أبوبكر في الجنة و عمر في الجنة و عثمان في الجنة و علي في الجنة و طلحة في الجنة و الزبير في الجنة و عبدالرحمٰن بن عوف في الجنة و سعد بن أبي وقاص في الجنة و سعيد بن زيد في الجنة و أبو عبيدة بن الجراح في الجنة.))

(۱)ابوبکر (صدیق) جنت میں ہیں (۲) عمر جنت میں ہیں (۳) ن جنت میں ہیں (۴) علی جنت میں ہیں (۵) جنت میں ہیں (۶) زبیر جنت میں ہیں (۷) عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہیں (۸) سعد بن ابی وقاص جنت میں ہیں (۹) سعید بن زید جنت میں ہیں (۱۰) اور ابوعبیدہ بن الجراح جنت میں ہیں [رضی اللہ اجمعین]

(سنن الترمذی: ۳۷۴۷ و إسنادہ صحیح، أضواء المصابیح: ۶۱۰۹)

یہ عشرہ مبشرہ ہیں جن سے نبی کریم ﷺ راضی تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی ﷺ وفات تک اس جماعت: علی، ن، زبیر، اور عبدالرحمٰن (بن عوف رضی اللہ) سے راضی تھے (صحیح ا ری: ۳۷۰۰) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ حراء (پہاڑ) پر تھے، آپ کے ساتھ ابوبکر (الصدیق)، عمر، ن، علی، اور زبیر (رضی اللہ) تھے اتنے میں (زلزلے کی وجہ سے) پتھر ہلنے لگا تو آپ نے فرمایا: ((اهدأ فما عليك إلا نبي أو صديق أو شهيد)) ٹھہر جا، اس وقت تجھ پر صرف نبی، صدیق اور شہید ہی کھڑے ہیں (صحیح :۲۴۱۷)

اس صحیح حدیث میں ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ ابوبکر (عبداللہ بن ن) الصدیق کا لقب ''صدیق'' نبی کریم ﷺ کا رکھا ہوا ہے۔ اس حدیث میں یہ غیب کی خبر ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوں گے جبکہ سیدنا عمر وسیدنا ن وسیدنا علی وسیدنا وسیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ شہید ہوں گے۔ یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ خادمِ رسول سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((أرحم أمتي بأمتي أبوبكر و أشدهم في أمر الله عمر و أصدقهم حياء عثمان و أفرضهم زيد بن ثابت و أقرؤهم أبي بن كعب و أعلمهم بالحلال و الحرام معاذو لكل أمة أمين و أمين هذه الأمة أبو عبيدة بن الجراح))

میری اُمت پر سب سے زیادہ مہربان، میری امت میں ابوبکر ہیں۔ اللہ (کے دین) کے معاملے میں سب سے سخت عمر

ہیں، شرم وحیا میں سب سے سچے ن ہیں، علم فرائض (میراث) کے سب سے بڑے عالم زید بن ثابت ہیں، سب سے بڑے قاری ابی بن کعب ہیں، حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ (بن جبل) ہیں اور اس اُمت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں [رضی اللہ اجمعین]

(احمد ۲۸۱/۳ ح ۱۴۰۳۵، سنن الترمذی: ۳۷۹۱ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح'' الضیاء فی المختارۃ ۲۲۶/۶، ۲۲۷ ح ۲۲۴۱، ۲۲۴۲ وأضواء المصابیح: ۶۱۱۱ وقال: إسنادہ صحیح)

عشرہ مبشرہ ہوں یا دوسرے صحابہ کرام، سب سے محبت کرنا جزوِ ایمان ہے۔ امام عوام بن حوشب الشیبانی (ثقہ ثبت فاضل، متوفی ۱۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ:

((اذکروا محاسن أصحاب رسول اللہ ﷺ تؤلفوا علیھم القلوب ولا تذکروا مساویھم فتحرشوا الناس علیھم))

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی خوبیاں بیان کیا کرو تاکہ (لوگوں کے) دلوں میں ان کی محبت ہی محبت ہو۔ اور ان کی خامیاں بیان نہ کرو تاکہ لوگوں (کے دلوں) میں اُن کے خلاف نفرت پیدا نہ ہو جائے۔

(الإمامۃ وترتیب الخلافۃ للحافظ أبی نعیم الأصبھانی: ۲۱۷ وسندہ حسن)

صحابہ کرام پر تنقید کرنا اور اُن کی خامیاں بیان کرنا اہلِ بدعت کا خاصہ ہے۔ اہلِ سنت تو صحابہ کرام سے قرآن وحدیث کی گواہی کی وجہ سے محبت ہی محبت کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے پیارے صحابہ کرام قرآن وحدیث کو اُمت مسلمہ تک پہنچانے والے ہیں، اللہ نے اُن سے راضی ہو کر ''رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ'' کا تاج انہیں پہنا دیا ہے۔ سبحان اللہ

ثقہ عابد فقیہ امام معافی بن عمران الموصلی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۵ھ) سے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

((لایقاس بأصحاب رسول ﷺ أحد، معاویۃ صاحبہ وصھرہ وکاتبہ وأمینہ علی وحی اللہ عزوجل))

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے ساتھ کوئی بھی برابر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ معاویہ (رضی اللہ عنہ) آپ کے صحابی، ام المؤمنین ام حبیبہ کے بھائی، کاتب اور اللہ کی وحی (لکھنے) کے امین ہیں (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۰۹ ت ۴۸ وسندہ صحیح)

جلیل القدر تا امام مسروق بن الاجدع رحمہ اللہ (متوفی ۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ:

((**حب أبی بکر و عمر و معرفۃ فضلھما من السنۃ**)) ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) سے محبت کرنا اور اُن کی فضیلت پہچاننا سنت ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۵۷/۳۲، المعرفۃ والتاریخ للإمام یعقوب بن سفیان الفارسی ۸۱۳/۲ وسندہ صحیح) **رضي الله عنهم أجمعين.**

تبصرۂ کتب

نام کتاب: رسائل توحید

مؤلف: شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ

ترجمہ وحواشی: حامد محمود

ضخامت: ۵۶ صفحات

قیمت: درج نہیں ہے

برائے رابطہ: اسلامک سینٹر نز د گنجی سلطان کالونی سورج میانی روڈ ملتان

تبصرہ نگار: فضل اکبر کاشمیری

قرآن کریم نے جتنا زور توحید کے اثبات اور شرک کی تردید پر دیا ہے اتنا کسی اور مسئلہ پر نہیں دیا اور یہی تمام کتب سماویہ کے نزول کی غرض وغایت ہے۔ توحید آخرت میں کامیابی اور ناکامی کی اصلی میزان ہے۔ جبکہ جرائم کی مد میں شرک ایسا سنگین جرم ہے جس کی بیخ کنی کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیھم السلام ایسی برگزیدہ ہستیاں مبعوث فرمائیں۔ توحید ہی ام المسائل ہے، کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے، تمام انبیاء کی دعوت کا محور ہے، جنات اور انسانوں کی پیدائش بھی اسی مقصد کے تحت کی گئی ہے۔ عقیدۂ توحید ہی بنیادی عقیدہ ہے۔ عقیدے میں لی سے لی خرابی بھی ناقابل معافی جرم ہے۔ شرک نیکیوں کا دشمن ہے۔ اسی لئے مشرک کا **مخلد فی النار** یعنی ابدی ہونے کا فیصلہ قطعیت کے ساتھ ثابت ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ توحید کی ہر ہر شق کو بالتفصیل سمجھا جائے اور شرک کی تمام اقسام کو بغور کران سے اپنا دامن بچایا جائے۔

زیرہ تبصرہ کتاب شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب التمیمی رحمہ اللہ کے بعض رسالوں کا مجموعہ ہے۔ شیخ الاسلام کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر کئی کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ ''رسائل توحید'' (حصہ اوّل) بھی اس سلسلے کی ایک کڑی اور اچھی کاوش ہے۔ لیکن کتابچہ پر سرسری نگاہ ڈالنے سے م ہوا ہے کہ ناشر وغیرہ کی عدم توجہ کی وجہ سے کئی جگہ پروف ریڈنگ کی واضح غلطیاں موجود ہیں۔ مثلاً صفحات، ۵۔۱۸۔۴۱۔۴۵۔۵۳ پر آیات کے اعراب غلط لگائے گئے ہیں۔ امید ہے آئندہ ایڈیشن میں اس کی، اور اس قسم کی دیگر اغلاط کی تصحیح کی طرف توجہ دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اسی توحید کی خاطر ہم سب کی غلطیوں اور گناہوں کو معاف فرمائے۔ اسی توحید پر ثابت قدم رکھ کر اسی پر موت دے۔ (آمین)

فہرست مضامین ''الحدیث'' 2005ء

الحدیث نمبر 8 (جنوری)

الحدیث نمبر 9 (فروری)

الحدیث نمبر 10 (مارچ)

الحدیث نمبر11 (اپریل)

الحدیث نمبر12 (مئی)

الحدیث نمبر 13 (جون)

☆☆☆

الحدیث نمبر14 (جولائی)

الحدیث نمبر15 (اگست)

☆☆☆

الحدیث نمبر16 (ستمبر)

الحدیث نمبر17 (اکتوبر)

الحدیث نمبر18 (نومبر)